• جلد 10 / • شمارہ 12 / • جون / 2021

Regd.# MC-1366

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

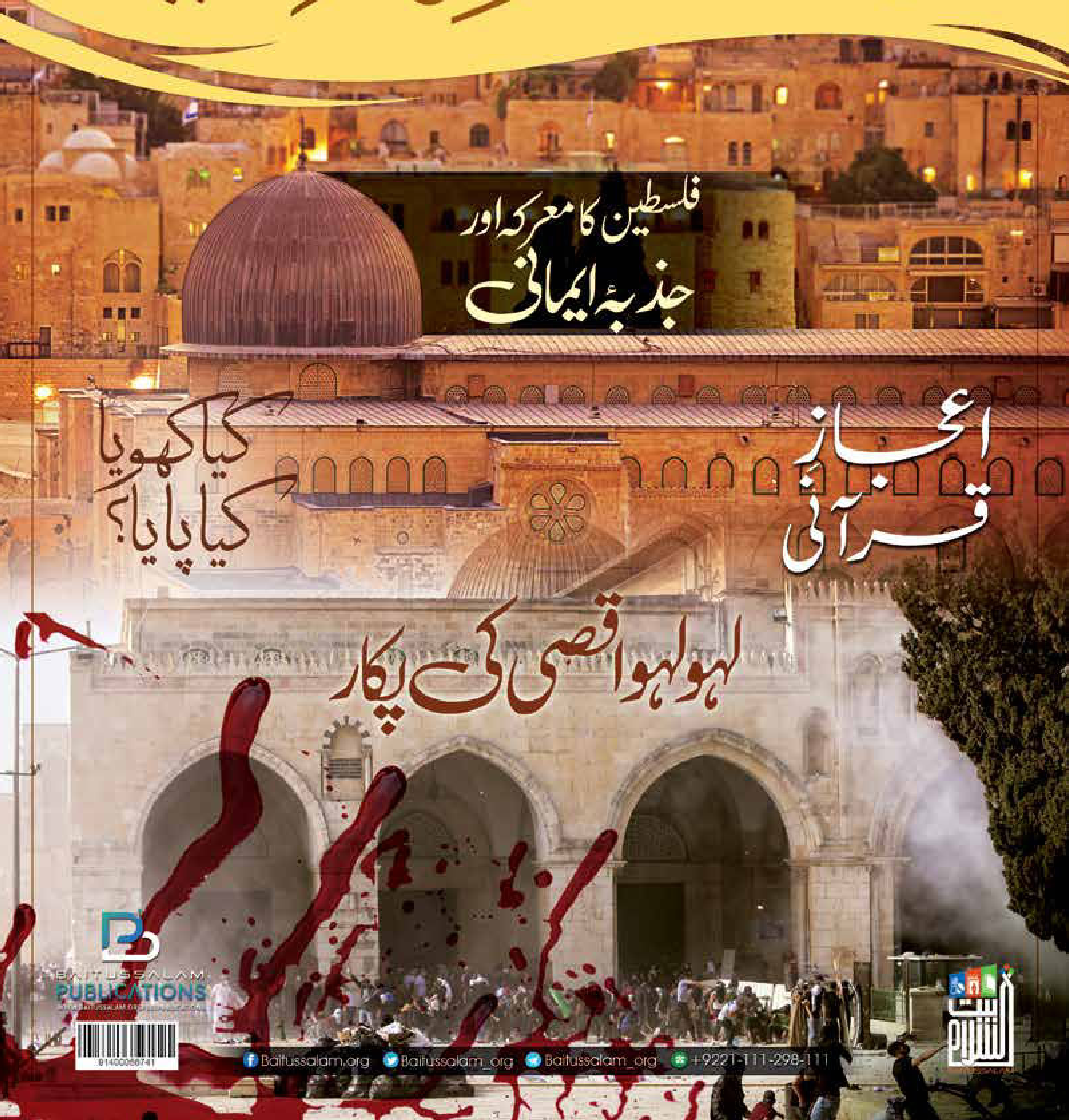

فلسطین کا معرکہ اور جذبۂ ایمانی

اعجازِ قرآنی

کیا کھویا کیا پایا؟

لہولہو اقصیٰ کی پکار

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

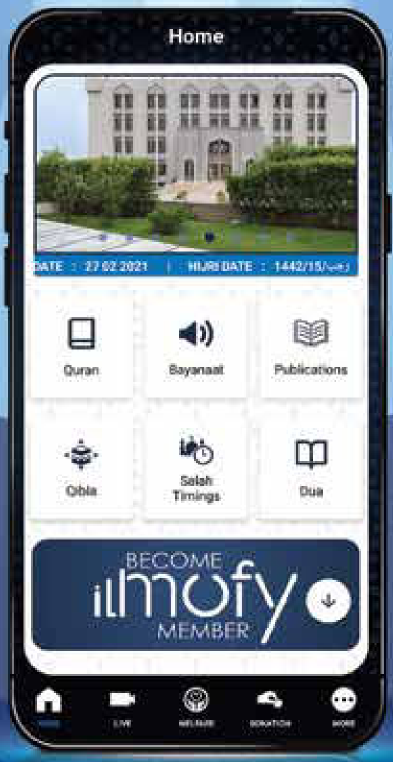
Home
DATE : 27 02 2021 | HIJRI DATE : 1442/15/رجب
Quran
Bayanaat
Publications
Qibla
Salah Timings
Dua
BECOME ilmofy MEMBER

FAHMEDEEN
فہم دین

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

BAITUSSALAM

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو، انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

• تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
• شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
• حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
• اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
• بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
• اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی
اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust baitussalamwelfaretrust Baitussalam
baitussalam_org 923162881088 Baitussalam_Org

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

جون 2021

فہم وفکر

فلسطین کا معرکہ اور جذبہ ایمانی مدیر کے قلم سے 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم 05
فہم حدیث مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ 06
آئینہ زندگی حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ 08

مضامین

اعجاز قرآنی امان اللہ اسماعیل 10
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ندا اختر 11
تربیت اولاد سعد صالح 12
مسائل پوچھیں اور سیکھیں مفتی محمد توحید 14
اپنا محاسبہ کامیابی کی راہ ام محمد مصطفیٰ 15
مقصد حیات آسیہ عمران 16
آنتوں کے امراض حکیم شمیم احمد 17

خواتین اسلام

باعنوان ام نسیبہ 20
اندھیری گلی تنزیلہ یوسف 21
ہم نے رسم محبت کو زندہ کیا بنت عامر 22
اے بیت المقدس کی وارث ماؤں!!! ام محمد عبداللہ 23
بہو ہو تو ایسی ارم شمیم 24
کفارہ نبیلہ شہزاد 25
لہو لہو اقصیٰ کی پکار بنت ایوب مریم 27
تلقین تماضر ساجد 29

باغیچہ اطفال

ٹنکو بونا محمد احمد رضا انصاری 31
بجلی کی کڑک اریبہ محمد فیصل 32
بی موز ایمن بخاری 33
کینگرو فوزیہ خلیل 34
پھر چوری ثانیہ ساجد عباسی 35
چھوٹا منہ بڑی بات ڈاکٹر الماس روحی 36
ہاؤوو سلمان یوسف سمیجہ 37
السلام علیکم! تنزیلہ احمد 38
بچوں کے فن پارے 40
انعامات ہی انعامات 41

بزم ادب

کورونا وائرس جوہر عباد 42
کتابوں کی دنیا ضیاء اللہ محسن 43
گلدستہ 44

اخبار السلام

خلق خدا کی خدمت خالد معین 46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبدالرحمٰن
ناظم	خالد عبدالرشید
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون
فی شمارہ : 40 روپے
سالانہ فیس : 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک : 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹر
مقام اشاعت: دفتر فہم دین

فلسطین کا معرکہ اور جذبہ ایمانی

اسرائیل خون کی ہولی کھیل رہا ہے، بارود کی بارش کر رہا ہے اور اپنی ان گھٹیا اور گھناؤنی حرکتوں سے اپنا قبیح چہرہ اقوامِ عالم کے سامنے لا رہا ہے، قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ کہ یہ بڑی ذلیل قوم ہے اور کیوں نہ ذلیل ہو، جب اسرائیل کو اپنے بنی اسرائیلی نبیوں کو قتل کرتے ہوئے کبھی شرم نہیں آئی تو آج امتِ مسلمہ کا خون بہاتے ہوئے کیوں شرم آئے گی۔ مگر مسلمان بنی اسرائیلیوں کی طرح نہیں ہیں، ہم اسی امت مسلمہ کا حصہ ہیں، جس کی نمائندگی کرتے ہوئے چودہ سو سال پہلے حضرت مقداد بن الاسودؓ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے برملا اس جذبے کا اظہار کر دیا تھا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰؑ! تم جانو اور تمہارا رب جانے، ہم تمہارا ساتھ دینے والے نہیں ہیں، بلکہ اگر آپ ہمیں برک الغماد (بحیرۂ احمر کے ساحل) تک لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہیں۔

اور ہم صحابہ کرامؓ کے اسی لشکر کے پیروکار ہیں، جن کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے عرض کیا تھا: یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے اور اطاعت اور جاں نثاری کے بارے میں ہم آپ سے پختہ عہد و پیمان کر چکے ہیں، آپ جو چاہیے کر گزریے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔" سبحان اللہ!

غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کا مقابلہ وقت کی سپر پاور "سلطنتِ روم" سے تھا، آج کا اسرائیل اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ مسلمانوں کے پاس مال و اسباب کی کمی تھی، اللہ کے نبی ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا، صورتِ حال ذکر کی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہل کی: "یارسول اللہ! ساز و سامان کے ساتھ ایک سو اونٹ میں دیتا ہوں"۔ حضور ﷺ نے پھر ترغیب دی تو دوسری بار پھر حضرت عثمان غنیؓ ہی گویا ہوئے: "یارسول اللہ! ساز و سامان کے ساتھ دو سو اونٹ دیتا ہوں"۔ حضور ﷺ نے پھر ترغیب دی، سبحان اللہ! جذبۂ ایمان دیکھیے، تیسری بار پھر حضرت عثمانؓ ہی بازی لے گئے، کہنے لگے: "یارسول اللہ! ساز و سامان کے ساتھ تین سو اونٹ دیتا ہوں"۔ پھر ان تین سو اونٹوں کے علاوہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیئے۔ (ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور دس ہزار دینار اس جنگ میں خرچ کئے۔ مواہب لدنیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کی یہ سخاوت دیکھی تو آپ کے پیش کردہ دیناروں میں اپنا دست مبارک ڈال کر فرمایا: "عثمان کے اس نیک عمل کے بعد اب انھیں کوئی بات ضرر نہ پہنچائے گی"۔ (مشکوٰۃ شریف)

غزوۂ تبوک میں مسلمانوں نے کمال کے ایثار کا مظاہرہ کیا۔ اسی غزوہ میں حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اب کی بار چندہ دینے میں صدیقِ اکبرؓ سے آگے نکلنا ہے، چناں چہ وہ اپنے گھر کا آدھا مال خدمتِ اقدس میں لے آئے۔ صدیقِ اکبرؓ گھر کا پورا مال لائے۔ پھر اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا: عمر! گھر کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا: آدھا مال۔ پھر صدیق اکبرؓ سے یہی سوال کیا تو جواب کو علامہ محمد اقبالؒ نے یوں ذکر کیا:

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

قارئین گرامی! فلسطین میں غزہ کی پٹی اور بیت المقدس میں دشمن کی بدترین جارحیت کا جواب تو پوری بہادری سے وہاں کے مسلمان مرد و زن، بچے اور بوڑھے دے رہے ہیں، لیکن ان نہتے، زخمی، بے گھر فلسطینیوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے دُنیا بھر کے مسلمانوں کی طرف سے مالی امداد وہی اہمیت رکھتی ہے، جو غزوہ تبوک میں صحابہ کرامؓ کے دیے ہوئے چندے کی تھی۔ بجلی منقطع ہو چکی ہے، ہسپتالوں کا پورا نظم بھی جنریٹرز کے ذریعے چل رہا ہے، ہزاروں کی تعداد میں زخمیوں کو ہسپتال لے جانے کے لیے ایمبولینسیں اور پھر علاج معالجے کے لیے دواؤں کی ضرورت ہے، بے گھر ہونے والے لاکھوں مسلمان بھائیوں کے لیے عارضی رہائش گاہوں اور پھر مستقل آبادکاری ایک مستقل مسئلہ ہے۔ الحمد للہ! دنیا بھر کے مسلمانوں سمیت اہلِ پاکستان اس میں پیش پیش ہیں، لیکن مسئلے کی سنگینی کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ صرف وقتی علاج معالجہ اور آبادکاری کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ قبلۂ اوّل بیت المقدس کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ انگریزوں کی صلیبی جنگوں کی طرح اسرائیل نے بھی اس جنگ کو Guardian of Wall (دیوارِ گریہ کے سرپرست) کہہ کر واضح طور پر اسے مذہبی مسئلہ قرار دیا ہے اور اس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں میں بھی جذبۂ عثمانی کی ضرورت ہے کہ پہلی بار بھی حضرت عثمانؓ نے بھرپور مالی مدد کی، دوسری بار پھر وہی کھڑے ہوئے اور تیسری بار بھی وہی پیش پیش رہے تاوقتیکہ اللہ کے نبی ﷺ سے جنت کی سند وصول کر لی۔ سنا ہے کہ بہت سے ادارے فلسطینیوں کی مالی مدد کے لیے کوشاں ہیں، میرے علم میں بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی خدمات ہیں کہ وہ ترک اداروں کے ساتھ مل کر بھرپور اور قابل اعتماد ذریعوں سے فلسطینیوں کی ہر ممکنہ مدد کر رہے ہیں۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ، جو مشکل کی اس گھڑی میں اہلِ فلسطین کی مدد کر کے جنت کے حق دار بن جائیں گے۔ والسلام!

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

النساء 79-81

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ
وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ⑦⑨

ترجمہ : اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمھیں لوگوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ (اس بات کی) گواہی دینے کے لیے کافی ہے۔ (79)

تشریح : ان آیتوں میں دو حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے پہنچتا ہے اور نقصان پہنچے تو وہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ کب اور کس بنا پر دیتے ہیں؟ اس بارے میں مذکورہ آیت نے بتایا کہ جہاں تک کسی کو فائدہ پہنچانے کا تعلق ہے، اس کا حقیقی سبب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے، کیوں کہ کسی بھی مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی اجارہ نہیں آتا کہ وہ اسے ضرور فائدہ پہنچائے اور اگر اس فائدے کا کوئی ظاہری سبب اس شخص کا کوئی عمل نظر آتا بھی ہو تو اس عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے اور اس شخص کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ حکم اسی وقت فرماتے ہیں، جب اس شخص نے اپنے اختیاری عمل سے کوئی غلطی کی ہو۔ اب منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ جب انھیں کوئی فائدہ پہنچتا تو اس کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے، لیکن کوئی نقصان ہو جاتا تو اسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے لگا دیتے تھے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو نقصان کی ذمّہ داری آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عائد کر رہے ہیں، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے نقصان آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے، کیوں کہ اس کائنات میں تمام کام اللہ ہی کے حکم سے ہوتے ہیں، کسی اور کے حکم سے نہیں اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی غلطی اس کا سبب بنی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے، ہر انسان کو خود اس کے اپنے کسی عمل کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا نہ تو کائنات میں واقع ہونے والے کسی تکوینی واقعے کی ذمّہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے اور نہ آپ فرائضِ رسالت میں کسی کوتاہی کے مرتکب ہو سکتے ہیں، جس کا خمیازہ آپ کی امت کو بھگتنا پڑے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ
وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ⑧⓪

ترجمہ : جو رسول کی اطاعت کرے اس نے رسول کی اطاعت کی اور جو (اطاعت سے) منہ پھیر لے تو (اے پیغمبر!) ہم نے تمھیں ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ (کہ تمھیں ان کے عمل کا ذمّہ دار ٹھہرایا جائے) (80)

وَیَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ
تَقُوْلُ وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ⑧①

ترجمہ : اور یہ (منافق لوگ سامنے تو) اطاعت کا نام لیتے ہیں، مگر یہ تمہارے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کے وقت تمہاری باتوں کے خلاف مشورہ کرتا ہے اور یہ رات کے وقت جو مشورے کرتے ہیں، اللہ وہ سب لکھ رہا ہے، لہٰذا تم ان کی پرواہ مت کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے۔ (81)

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حج کی فرضیت اور فضیلت

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَّا رَسُوْلَ اللهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْقُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَاتَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُوَالِهِمْ وَاِخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَاءِهِمْ فَاِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْمِنْهُ مَاسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: ”اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، لہٰذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ ”ہاں! ہر سال حج فرض کیا گیا۔“ تو اسی طرح فرض ہو جاتا اور تم ادا نہ کر سکتے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کسی معاملے میں جب میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں، تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو۔ تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لیے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے، لہٰذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ) جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے، اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال و جواب جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، سورۂ آلِ عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آلِ عمران: 97)

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے، ان لوگوں پر جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان صحابی کا نام مذکور نہیں ہے، جنہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا کہ ”کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟“ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تمیمی تھے، یہ ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، ان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا، اسی لیے ان سے یہ لغزش ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے اور جب حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔“ اس کا منشا اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا سمجھنا چاہیے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سنایا تھا، اس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور امت سخت مشکل میں پڑ جاتی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرتِ سوال اور قیل و قال کی اسی بری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے، انھوں نے اپنے نبیوں سے سوال کر کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کرایا اور پھر اس کے مطابق عمل نہیں کر سکے۔“

حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی اہم اور اصولی بات فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے، اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کروں اس کو ترک کر دو۔“

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور تنگی نہیں ہے، بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے، جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی کسر رہ جائے گی، اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی کی امید ہے۔

Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
اچار کا چٹخارہ
اب جدید انداز میں!
Shangrila
MIXED PICKLE
CHUNKS
مکس اچار چنکس
NET WT.:750g
NO HASSLE
NO WASTAGE
Shangrila
MIXED PICKLE
Shangrila
MIXED PICKLE
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

کیا کھویا کیا پایا؟

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللہ

رمضان کا مقدس مہینا اپنے اختتام کو پہنچا، الحمد للہ بہت سارے خوش نصیب لوگوں کی زندگیوں میں خوش گوار تبدیلی لے کر آیا۔ ان کے ایمان میں تازگی آگئی، نمازوں کا اہتمام بڑھ گیا، تلاوت کا معمول ہو چلا، اخلاقی کمزوریوں پر قابو پالیا، اللہ سے ایک تعلق بن گیا۔ یہی علامت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے اس بار مضان میں کی جانے والی نیکیوں کو قبول فرمالیا اور بہتری آگئی۔ نیکی اور اللہ کی اطاعت کی زندگی میں ترقی ہو گئی۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو ایک درخت سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس درخت کی جڑیں مضبوط ہوں، گہری ہوں، تر و تازہ ہوں، اس کا تنا اچھا نکلتا ہے، اس کی شاخوں میں زندگی آتی ہے اس کے پتے تازہ ہوتے ہیں۔ اس پر پھول کھلنے لگتے ہیں، اس پر پھل آنے لگتا ہے۔ ان پھول پھلوں سمیت یہ پودا اور درخت جب کسی باغ میں کھڑا ہو، چاہے وہاں ہزاروں لاکھوں درخت اور پودے موجود ہوں لیکن یہ درخت اپنی تازگی کی وجہ سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ درخت یا پودا کس چیز کا ہے۔ ایک بچہ بھی پہچان لے گا۔ اسی طرح جب کسی مسلمان کے اسلام کے درخت میں بہار آتی ہے۔ تو وہ مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والا ہو۔ اس کا بسیرا مشرق میں ہو یا مغرب میں، شمال میں رہتا ہو یا جنوب میں بستا ہو، اپنوں میں زندگی گزارتا ہو یا بیگانوں میں گھرا رہتا ہو، اپنے قد کاٹھ، رہن سہن، بود و باش سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ محمدی ہے یہ مسلمان ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ درخت کی طرح ہے، درخت کی ہر چیز اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے، جڑیں بہت اہم ہیں، درخت کا تنا بھی بہت ضروری ہے اور اس درخت پر لگے پھل کی اپنی اہمیت ہے۔ پھولوں کی اپنی اہمیت ہے، درختوں کی شاخوں اور پتوں کا اپنا حسن ہے۔ کیا ہی اچھا ہو مسلمانوں کے اسلام کے اس درخت میں بہار آجائے اور رمضان اس کا سبب بن جائے، ماشاء اللہ کچھ مسلمان رمضان میں یہ سفر کر بھی لیتے ہیں کہ ان کے اسلام کے درخت میں کچھ ایسی ہی بہار آجاتی ہے۔ جڑیں مضبوط ہو گئیں، تنا مضبوط ہو گیا، شاخیں خوب صورت نکلیں، پتے سر سبز ہو گئے اس کے اندر اسلام کی خوشبو پھوٹ پڑی، اس کا پھل بڑا میٹھا، اس کے اخلاق میں بڑی مٹھاس اس کے اخلاق بہت اعلی ہو گئے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو درخت سے تعبیر فرمایا۔ وہ مسلمان کیا ہی خوش نصیب ہیں، جنھیں رمضان ملا ہے اور ان کے اسلام کے درخت میں بہار آئی ہے، اب کس نے کس حد تک اس رمضان میں کمائی کی، پھلوں تک پہنچا ہے پھولوں تک پہنچا ہے شاخوں تک پہنچا ہے، کہاں تک پہنچا ہے۔ اس کے لیے ایک معیار اور کسوٹی سنیے!

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص آیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا ایمان میری ایمانی روح کس سطح کی ہے، اس ایمانی روح میں تازگی ہے، زندگی ہے، صحت ہے، کیسے پتا چلے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو نیکی کرے اور تجھے اپنے اندر سے خوشی محسوس ہو اور اگر تجھ سے کوئی گناہ اور غلطی سرزد ہو اور تجھے اس پر رنج اور غم ہو، اگر تیرے ضمیر میں یہ حس موجود ہے تو سمجھ لے کہ ایمان کی روح بیدار ہے۔ یعنی یہ علامت ہے کہ ایسی حس والے کی روح میں ایمانی زندگی بیدار ہو گئی، اس میں تازگی آگئی گویا ہر آدمی اپنا جائزہ خود لے سکتا ہے کہ رمضان اسے کیا دے کر گیا ہے اور کتنا دے کر گیا ہے۔ الحمد للہ ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ تو مل ہی جاتا ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ ازلی بدبخت ہے، بدنصیب ہے، جو رمضان کی گھڑیوں کے اندر بھی خالی ہاتھ رہا، جس کی رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے جھولی خالی رہی، وہ ازلی بدبخت ہے۔ تو ہر مسلمان رمضان سے کچھ نہ کچھ لے کر ہی باہر آتا ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ ایمانی کیفیت کیا ہے؟ دیکھنا چاہیے کہ میرا تعلق مسجد سے کتنا ہے اور نماز سے کتنا ہے۔ خدانخواستہ اگر زندگی میں نماز ہی نہ ہو، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے درخت کا تنا ہی

نہ ہو۔ ایسے میں بھلا شاخیں کہاں سے آئیں گی؟ پتے کہاں سے آئیں گے؟ پھول کہاں کھلیں گے پھل کہاں آئیں گے؟ تو اسلام کا تنا نماز ہے۔" مسجد سے تعلق ہے۔ آیئے اللہ میاں سے پوچھتے ہیں کون ہیں وہ لوگ، جن کا تعلق مسجد سے ہے تو فرمایا:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ

جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، مسجدوں کو بناتے ہیں، اپنی نیکیوں اور اپنے اعمال سے آباد کرتے ہیں یہ کون لوگ ہیں۔ اللہ کہتا ہے یہ ایمان والے ہیں جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں، بارگاہ خداوندی میں کچھ خصوصی لوگوں کی نشستیں لگیں گی اور یہ نشستیں اس دن لگیں گی، جس دن سوائے ان نشستوں کے نہ کوئی سایہ ہوگا نہ کوئی ٹھنڈک ہوگی۔ خاص لوگ اللہ کے ہاں نشستوں پر بیٹھیں ہوں گے۔ تو پوچھا کہ یہ اللہ کے خاص مہمان کون ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں ایک طبقہ وہ ہوگا جس کا تعلق مسجد سے ہوگا۔ اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے۔ جس طرح مچھلی پانی میں تازگی محسوس کرتی ہے، مسلمان مسجد میں تازگی اور زندگی محسوس کرتا ہے، مچھلی کو پانی سے باہر نکال دیا جائے تو تڑپتی ہے۔ مسلمان بھی مسجد سے آکر دوبارہ جانے کے لیے ایسا ہی تڑپتا ہے، وہ انتظار میں رہتا ہے کب اگلی نماز کا وقت اور وہ اللہ کے گھر جائے۔

محشر کے میدان میں جو گرمی کی شدت ہوگی، اس کو آج سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ دنیا کی اس گرمی کی حشر کے دن کی گرمی سے کوئی نسبت نہیں، ہم سے دنیا کی یہ گرمی برداشت نہیں ہوتی۔ تو بھلا حشر کے دن کی گرمی کیسے برداشت ہوگی تو بھائی لیکن وہاں کچھ خاص لوگوں کی نشستیں لگی ہوں گی اللہ کے عرش کے نیچے۔ ان خاص نشستوں پر بیٹھنے والوں میں وہ خوش نصیب بھی ہوں گے جن کے دل مسجد میں اٹکے ہوں گے۔ منافق مسجد میں اس طرح تنگ ہوتا ہے، جیسے پرندہ پنجرے میں کہ کب نکلوں جب کہ مسلمان مسجد میں ایسی تازگی محسوس کرتا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔ اگر ایمان کی یہ سطح بھی مل جائے تو پھر تازگی آنا شروع ہو جائے گی۔ جڑیں صحیح ہو جائیں گی تنا مضبوط ہوگا۔ تازگی آنا شروع ہو جائے گی تو ادنیٰ درجہ اسلام کے اس درخت کا یہ ہے کہ میری زندگی کا تعلق مسجد سے ہو۔ صبح سویرے مسجد سے میری زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے ایمان والا جب مسجد سے نکل کر جب اپنے مشغلے میں نکلتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے اور جو مسجد میں آئے بغیر بازاروں میں نکل کھڑا ہوتا ہے دفتروں فیکٹریوں کارخانوں میں نکل پڑتا ہے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔ فکر کرنی چاہیے، کل ایسا نہ ہو کہ جس کے ہاتھ میں جو جھنڈا ہوگا، اسی کے نیچے کھڑا ہوگا کہیں ایسا نہ ہو زندگی بھر جو جھنڈا اٹھایا ہے اسی کے نیچے محشر میں کھڑا ہونا پڑے۔ صبح سویرے جس مسلمان کے دن کا آغاز مسجد سے شروع ہوتا ہے اسے کیسی عجیب سی طمانیت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔

ذرا سوچنا چاہیے کہ عید کے دن کیا مناظر ہوتے ہیں۔ مسلمان اس دن جوق در جوق عید گاہ کی طرف یا مسجدوں کی طرف تشریف لا رہے ہوتے ہیں۔ بڑی مسرت ہوتی ہے جب عید گاہوں اور مساجد کا یہ منظر دیکھتے ہیں اور جمعے کے دن بھی ہر طرف زبردست بہار ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! ہائے کاش کہ یہی مسلمان اسی شوق و محبت اور اسی جوش و جذبے اور اسی ایمانی حرارت اور اسی جذبے کے ساتھ روزانہ صبح سویرے فجر کی نماز میں بھی مسجد میں تشریف لائے۔ ایسا ہو جائے تو زندگی کتنی خوب صورت ہو جائے۔

سوچنا چاہیے جو شخص عید کے دن مسلمان ہے، جمعے کے دن مسلمان ہے، عام دنوں میں بھی وہ مسلمان ہی ہوتا ہے۔ لیکن سوچنا چاہیے عید پڑھنے والوں کی تعداد کیا ہے، جمعہ پڑھنے والوں کی تعداد کیا ہے اور عام دنوں میں مسجد آنے والوں اور فرض نماز پڑھنے والوں کی تعداد کیا ہے، ایسا لگتا ہے دونوں کی تعداد میں نسبت ہی نہ ہو۔ عید کی نماز فرض نہیں، واجب ہے لیکن جوق در جوق مسلمان عید گاہ میں آ رہے ہوتے ہیں۔ اور روزانہ کی فرض نمازوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ عید کے لیے جوق در جق آنا مبارک، لیکن سوچنا تو چاہیے کہ عام دنوں کی نمازوں، خصوصاً فجر کی نماز میں کیوں اہتمام نہیں ہوتا۔ روزانہ کیا ہم یہ مناظر نہیں دیکھتے کہ فجر کی نماز کے آدھ پون گھنٹے بعد ہزاروں لاکھوں بچے اسکول کے دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ سوچنا چاہیے کون سا جذبہ ہے جو سویرے سویرے اس معصوم بچے کو اسکول کے دروازے پر لے گیا، اس کے والدین نے یہ اہتمام کیوں کیا؟ اگر ایسا ہو جائے کہ ہمارے ایمان میں ایسی تازگی پیدا ہو کہ اسکول جانے سے پہلے ہم اپنے بچوں کم از کم بالغ بچوں کے ساتھ مسجد میں ہوں، اس عمل سے یقیناً اللہ کی رضا حاصل ہوگی، ہماری بگڑی کہانی سنور سکتی ہے مشکلوں میں پھنسی ہماری کشتی کنارے لگ سکتی ہے، ہر طرف ٹوٹ اور تباہی کے نقشے کامیابی اور فلاح کے نشان بن سکتے ہیں۔ آج ہر شخص روتا پیٹتا ہے کہ بندش ہو گئی، یہ ہو گیا، فلاں نے یوں کر دیا، یہ یہ مشکلات ہیں، یہ پریشانیاں ہیں، ہماری دعائیں سنی نہیں جاتیں، قبول نہیں ہوتیں، کبھی تنہائی میں بیٹھ کر ذرا یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ میں نے اب تک اپنے اللہ کی کتنی سنی ہے۔ اگر بیوی سے شکایت ہے کہ وہ نہیں سنتی تو میں نے اپنے اللہ کی کتنی سنی، اولاد سے بھی شکایت ہے کہ نہیں سنتی تو میں نے اپنے اللہ کی کتنی سنی ہے، اگر میرے ماتحت نہیں سمجھتے تو یہ بھی سوچنا چاہیے میں نے اپنے اللہ کی کتنی مانی ہے۔ میری نافرمانی کا کچھ توری ایکشن ہوگا۔ جیسا عمل کیا ہے ویسا ہی نتیجہ آتا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہم میں سے ہر شخص یہ چاہے اور یہ کوشش کرے کہ اس کی زندگی میں یہ خوش گوار تبدیلی آجائے کہ اب کچھ بھی ہو جائے میری زندگی کا آغاز مسجد سے اور میری صبح کا آغاز نماز سے ہوگا۔ تجارت مبارک، صنعت اور زراعت مبارک، ملازمت مبارک ہے لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ کچھ اللہ کا بھی تو حق ہے کچھ اس مولیٰ کی بھی تو چاہت اور پسند ہے کہ صبح کا آغاز مسجد سے ہو اللہ کے گھر سے ہو تو زندگی سنور جائے۔

اللہ کرے کہ رمضان میں گزاری گھڑیاں ہمارے گھروں میں تبدیلی لے کر آئیں آمین۔

اعجازِ قرآنی

امان اللہ اسماعیل

قرآن مجید کے اعجاز پر بہت کچھ لکھا گیا ہے‘ خاص طور پر اس کی بلاغت اور اس کے انداز بیان پر اور قرآن مجید میں جو حروف اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں‘ ان پر اہل لغت نے اتنا کام کیا ہے کہ اس کا احاطہ بھی مشکل ہے اور یہ سارا کام علماء لغت اور عربی زبان کے ماہر ین کے ہاتھوں ہوا اور اتنی غوطہ زنی کے بعد وہ پکار اٹھے کہ یہ کلام کسی بشر کا ہو ہی نہیں سکتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی 23 سالہ نبوی حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی عربی زبان میں گفتگو فرماتے رہے کبھی جنگ‘ کبھی صلح‘ کبھی وعظ و نصیحت۔ اس 23 سال کے عرصے میں سیکڑوں مواقع آئے ہوں گے‘ اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی بھی نازل ہوتی رہی لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن مجید کی زبان اور ہے‘ جب کہ احادیث کی زبان اور ہے۔ یہ قرآن مجید کے وحی الٰہی ہونے کی اتنی بڑی دلیل ہے‘ جس کا انکار ممکن ہی نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ ساری دنیا حفاظ کرام سے بھری ہوئی ہے‘ سوچنا چاہیے جو عربی کے ایک صیغے سے بھی واقف نہیں ہوتے‘ ان کو بھلا قرآن کیسے یاد ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی واضح اور بہت بڑی دلیل ہے‘ یہاں تک کہ چار سال کے بچے یا بچی کو سال بھر میں پورا قرآن مجید حفظ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں عرب غیر عرب سب شامل ہیں۔

اعجازِ قرآنی کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے پوری انسانیت کو چار مقامات پر چیلنج کیا ہے کہ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی نہیں ہے تو اس جیسی صرف ایک سورت ہی بنا کر لے آئے۔ آج نزولِ قرآن مجید کو 1442 سال گزر چکے ہیں اور قرآن مجید کا چیلنج اپنی اسی شان کے ساتھ لوگوں کو دعوت دے رہا ہے کہ ہے تم میں کوئی جو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آئے‘ چاہے‘ وہ چھوٹی سی سورہ کوثر ہی کیوں نہ ہو‘ مگر چاند اور مارس پر کمند ڈالنے والے تک عاجز ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر اعجازِ قرآن مجید کے بارے میں خود قرآن مجید نے ارشاد فرمائی ہے :

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر : 9)

”رہا یہ ذکر‘ تو اِس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اِس کے نگہبان ہیں“

اس آیت کے پیش نظر یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے جن و انس سے یہ صلاحیت اور قوت ہی سلب کر لی ہے کہ وہ قرآن مجید کی مانند کوئی سورت لا سکے‘ اسی لیے ہر زمانے اور ہر استطاعت کا بندہ اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے اور جب اس سے بات بنتی نہیں تو وہ قرآن کے ظاہری متون جو بے شک بہت اعلی و ارفع ہیں ان ہی میں کھو جاتا ہے۔ معاملہ اللہ تعالی کی قدرت قاہرہ کا ہے‘ اسی کو سب سے پہلے سامنے رکھنا چاہیے‘ جب خود خدا غیر مشروط طور پر چیلینج دیتا ہے کہ جن و انس جمع ہو جاؤ تم قرآن مجید کی ایک سورت بھی نہیں بنا لا سکتے یہ سب سے بڑا اعجاز ہے اور بین حقیقت بھی کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ آیئے ! ایک نظر ان آیات پر ڈالتے ہیں‘ جن میں چیلنج کیا گیا۔

پہلی آیت : وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (بقرہ : 23)

اور اگر تمھیں اِس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے‘ یہ ہماری ہے یا نہیں‘ تو اس کی مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ‘ اپنے سارے ہم نواؤں کو بلا لو‘ ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو‘ مدد لے لو‘ اگر تم سچے ہو۔

دوسری آیت : وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (یونس : 37)

اور یہ قرآن وہ چیز نہیں‘ جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آ چکا تھا‘ اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرماں روائے کائنات کی طرف سے۔

تیسری آیت : أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (ہود : 13)

کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو‘ : ”اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمہارے معبود) ہیں اُن کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو“

چوتھی آیت : قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (بنی اسرائیل : 88)

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے‘ چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں

ان مندرجہ بالا چار مقامات پر قرآن مجید نے جو اسلوب اختیار کیا ہے‘ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی یہی فرما رہا ہے کہ کسی جن و انس کے بس کی بات ہی نہیں کہ ایسا کلام پیش کر سکے‘ چاہے وہ اسی پیش کردہ زبان ہی میں کیوں نہ ہو گویا اللہ تعالی نے ایسا کلام پیش کرنے کی صلاحیت ہی جن و انس سے چھین لی ہے‘ اسی لیے وہ آج تک لا نہیں سکے اور نہ ہی کسی میں قدرت ہو گی کہ آئندہ لا سکے۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

یہ سڑک صاف اور طویل تھی، جس کے خاتمے پر حد نظر پھیلا ہوا سبزہ زار تھا، جس کا ہر درخت چاند کی روشنی میں نہایا ہوا اور گوشہ گوشہ روشن تھا۔ یہ کیسی روشنی تھی یہاں کیسا سکون تھا۔ وہ حیرت سے دیکھتے ہوئے چلی جارہی تھیں۔ شوہر کے قدم سے قدم ملائے آگے بڑھ رہی تھیں۔ انہیں یہ سڑک طے کر کے نخلستان میں جانا تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ آسمان پر چمکنے والے ماہِ کامل کی روشنی سڑک پر نہیں صرف اسی شجرستان پر نثار ہو رہی تھی وہ کتنی سرعت سے اس طرف بڑھ رہی تھیں، انہیں خود علم نہ تھا، ہاں احساس تھا تو صرف اتنا کہ اب درمیانی فاصلہ تمام ہونے والا تھا۔ اور پھر چند قدم بعد ہی فاصلہ پورا ہو گیا، سڑک تمام ہو گئی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا جدھر جدھر سے وہ گزر کر آگئی تھیں وہاں راستہ بالکل صاف اور سڑک دور تک چمک رہی تھی۔ پھر انہوں نے شوہر کی جانب دیکھا اس سبزہ زار کی طرف قدم بڑھائے اور بولیں! ”آیئے۔۔۔۔۔!“ ”نہیں، میرا سفر تمام ہو چکا ہے، مجھے ٹھہر جانا ہے، آگے آپ جایئے۔“ یہ شوہر کا جواب تھا۔

اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھ کھل گئی، صبح ابھی نہیں ہوئی تھی مگر ہونے والی تھی، فلک پر چٹکے ہوئے ستارے چشم خواب جھپک رہے تھے، کائنات ابدی نشے میں مدہوش تھی۔

تھوڑی دیر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز گونج رہی تھی۔ اسلام کے پہلے موذن خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کر کے مومنوں کو فریضہ نماز ادا کرنے کے لیے پکار رہے تھے۔ اپنے اس عجیب و غریب خواب پر متحیر و متردد خاتون اٹھیں، انہوں نے نماز صبح ادا کی اور دیر تک خدائے واحد سے اس کی رحمت اور رضامندی طلب کرتی رہیں، وہ سوچوں میں گم تھیں۔ یہ کیسا خواب تھا اسے وہ کیا سمجھیں کہ ان کے شوہر کا سفر تمام ہو چکا ہے اور انہیں ابھی آگے بڑھنا ہے اور آگے بھی کہاں اس سبزہ زار کی طرف جس کے لیے مہ کامل کی روشنی مخصوص ہے، جس کا گوشہ منور ہے وہ خاموش غور کرتی رہیں سوچتی رہیں مگر اس کی تعبیر نہ جان سکیں۔

”یہ متحیّر خاتون حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دختر خنیس بن حذافہ سہمی کی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔“ ہجرت کے دوسرے سال حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں، اس وقت ان کی عمر صرف بیس سال تھی، یہ وہ وقت تھا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح میں آچکی تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد اسلام کے حکم کے مطابق جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے عقدِ ثانی کا خیال آیا مگر وہ اس خواہش کو تقویت دینے کی ہمت نہ کر سکے۔ کیوں کہ رسول اللہؐ کا ہر نکاح خدا کے حکم سے ہوا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے تو واضح اشارات موجود تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ وہ اتنے اعلیٰ و ارفع نہیں ہیں کہ رسول اللہ سے اس طرح تقرب حاصل کر سکیں لیکن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کرنا ان کا ذاتی مسئلہ نہیں تھا جس میں خواہشات کو دخل ہوتا۔ یہ تو حکم خدا تھا جس کے سبب مسلمان نکاح بیوگاں کو فرض منصبی سمجھتے تھے لہٰذا جوں ہی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عدت کی میعاد ختم ہوئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دستور کے مطابق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بیٹی کے نکاح کا پیغام دیا اس زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ رسول اللہ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ابھی انہوں نے دوسرا نکاح نہ کیا تھا اور تنہا تھے۔ یہی دیکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کا پیغام انہیں دیا، یہ معاملہ رسول اللہؐ کے سماع مبارک تک پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند لمحے سکوت فرمایا پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور گویا ہوئے: ”کیا میں عثمان کو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر بیوی اور حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر نہ دے دوں؟“

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ایسا تھا جسے ہر فرد بہ آسانی سمجھ سکتا تھا اور حقوق ہجرت و خدمتِ بدری کے نتیجے میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس اعزاز کی مستحق تھیں۔

لہٰذا اسی زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اُم المؤمنین ہونے کا شرف بخشا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو دیا جس کے بعد آپؐ کے فرمان کی وضاحت ہو گئی۔ اس تقرب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جتنا بھی فخر کرتے کم تھا۔

اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نہایت خوش مزاج اور عبادت گزار تھیں۔ وہ بڑی گوشہ نشین اور پرہیزگار خاتون تھیں اور آپ کا یہ حال تھا کہ اشد ضرورت کے بغیر کبھی گھر سے قدم نہیں نکالا۔ آپ کا زیادہ وقت عبادت میں گزرتا، اگرچہ اس زمانے میں جب آپ رسول اللہ کے نکاح میں داخل ہوئیں بالکل جوان تھیں۔ مگر آپ میں بزرگوں جیسی سنجیدگی اور علماء جیسا وقار تھا۔ آپ کا زیادہ وقت تلاوت کلام پاک میں صرف ہوتا۔ آپ اس کی باریکیوں کو سمجھتیں ان پر غور فرماتیں اور جو نکتہ سمجھ میں نہ آتا اس کا رسول اللہ سے مطلب و مفہوم سمجھا کرتی تھیں۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں قرآن پاک کا جو پہلا نسخہ جمع کیا، وہ اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی امانت تھی۔

11ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے دنیا سے تمام تعلقات منقطع کر لیے اور گوشہ نشین ہو گئیں اور اس وقت سے اپنی وفات کے وقت تک آپ صائم النہار و قائم الیل رہیں۔ دیگر امہات کو نہ کبھی شکایت کا موقع دیا نہ کبھی خود کسی کی شکایت کی۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ زیادہ ہی قربت رہی۔ جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروقؓ عمر بھر شیر و شکر رہے۔ اسی طرح ان کی صاحبزادیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ایک دوسرے کی غم خوار اور دوست رہیں۔

تربیت اولاد کے چند رہنما اصول

محمد سعد صالح

بچوں کی تربیت اس دور کا سب سے اہم چیلنج بن چکا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تربیت اولاد ایک نہایت صبر آزما اور جاں گسل کام ہے مگر اس کے نتائج و ثمرات کو مد نظر رکھا جائے تو یہ کام مشکل نہیں رہتا۔ بڑے مقاصد کے لیے بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ بچوں کو معاشرے کا ایک کارآمد فرد اور دنیا و آخرت کا بہترین ذخیرہ بنانے سے بڑا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے! سو اس لحاظ سے اس راہ کی مشقتیں پھر بھی کم ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی برحق ہے کہ نیک کام کے ہر مرحلے پر خدا کی مدد و نصرت شامل حال رہتی ہے، جس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ذیل میں چند ایسے اصول لکھ رہے ہیں جو تربیت کے لیے نہایت موزوں ثابت ہوں گے۔ تجربہ اس بات کا شاہد ہے۔

اولاً تو یہ ذہن میں رکھیں کہ بچے کی مثال ایک سادہ لوح کی ہے۔ وہ اپنے بڑوں کو دیکھ دیکھ کر اس لوح میں رنگ بھرتا ہے۔ جیسا معاملہ اور برتاؤ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ اس کی زندگی کے ضابطے بنتے جاتے ہیں۔ اس لیے والدین کو خصوصاً بچوں کے حوالے سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

1: غلط کی حوصلہ شکنی: عموماً بچے غلطیاں کر دیتے ہیں۔ کبھی تو اوروں کی دیکھا دیکھی میں اور کبھی عدمِ توجہی کے باعث۔ بچہ کوئی غلطی کرے تو اس پر پیار سے باز پرس ضرور کرنی چاہیے، تا کہ اسے احساس ہو کہ یہ غلطی دوبارہ نہیں کرنی ہے اور یہ کہ مجھ سے پوچھنے والے لوگ موجود ہیں جو میرے ہر عمل کی نگرانی کرتے ہیں۔ عام طور پر والدین محبت کے دھوکے میں آ کر ایسے مواقع پر یہ کہتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ "ابھی تو بچہ ہے۔ بعد میں سیکھ جائے گا"۔ یاد رہے یہ ایک تباہ کن غلطی ہوتی ہے جو بچے کی تربیت میں بہت منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ بعد میں کبھی نہیں سیکھا جاتا، بچپن کا سیکھا پچپن تک ساتھ چلتا ہے۔ پکڑ نہ کرنے کے باعث بچہ اپنی غلطی کی اصلاح کی بجائے اس پر جری ہو جاتا ہے۔ یوں غلطی در غلطی کی ایک لڑی بنتی چلی جاتی ہے۔

2: اچھائی کی تعریف: بچے پاک طینت اور صاف دل ہوتے ہیں۔ برائیوں کی طرح ان کی اچھائیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کوئی اچھی بات کہیں، اچھا کام کریں تو تعریف ضرور کرنی چاہیے۔ اپنی وسعت کے بقدر حوصلہ افزائی بھی کریں تا کہ اسے معلوم ہو کہ اچھائیوں کی قدر کی جاتی ہے۔ آپ کا یہ عمل انہیں مزید اچھائیوں کی شہ دے گا۔ اس میں ایک بات کا دھیان رہنا چاہیے کہ تعریف اور حوصلہ افزائی کے ساتھ مزید اچھائیوں کی بھی ترغیب دی جائے۔ اسی ایک اچھائی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔

3: ضد کبھی پوری نہ کریں: بچے ضدی کیوں بنتے ہیں؟ کیوں کہ انہیں پتا ہوتا ہے کہ ضد سے بات مانی جاتی ہے۔ جب آپ ان کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالیں گے تو وہ سمجھ بیٹھے گا کہ اپنی بات ایسے منوائی جاتی ہے۔ اس لیے بچہ جب کبھی ضد کرے دل پر پتھر رکھ کر اسے پورا کرنے سے باز رہیں۔ وہ روئے دھوئے جو کرے، آپ نے ہار نہیں ماننی۔ یہی بچے کے ساتھ خیر خواہی اور محبت کا تقاضا ہے۔ ایک مرتبہ ضد پوری نہ ہو گی تو پھر کبھی ضد پنپنے کی شکایت نہیں ہو گی۔

4: ذمہ داری سونپیں: عمر کے لحاظ سے بچوں کو ذمے داریاں بھی سونپی جانی چاہییں۔ چھوٹا ہے تو گھر میں کوئی گلاس اٹھوا دیں۔ اپنے کھلونے سمیٹنے کی ذمہ داری دیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس سے بچے میں احساس ذمے داری پیدا ہو گی۔ وہ شروع سے ہی ایک ذمہ دار حیثیت سے پروان چڑھنا شروع ہو جائے گا۔ جن والدین کو اپنے بچوں کے بھولے پن اور سادگی کی شکایت رہتی ہے وہ یہ کام کر کے مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔

5: گپ شپ کریں، رائے لیں: بچوں کے ساتھ بات چیت رکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ معمول کی نشستوں کے علاوہ خصوصی نشست رکھنے کا بھی اہتمام کریں جس کے لیے انہیں پہلے سے بتائیں کہ ایک خاص بات کرنی ہے۔ گفتگو سنجیدہ ہونی چاہیے جس میں بچوں کی رائے لی جائے۔ ان کی آراء پر مثبت تبصرے بھی ساتھ کریں۔ کہیں نقص ہو تو وہ بھی بتائیں۔ اس سے بچوں میں فیصلہ سازی کی قوت پیدا ہو گی۔ ان کا دماغ معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔

6: لکھوائیے: ایک صاحب نے کہا میں نے اپنے بچوں کو بہترین تحریر نویسی سکھانے کے لیے یہ اصول اپنایا کہ جو معاملہ ہو، میں ان سے لکھنے کا کہتا۔ یوں وہ لکھ لکھ کر بہترین لکھاری بن گئے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بھی گاہے بگاہے بچوں سے لکھوائیں۔ کہیں گھومنے گئے تو اس پر کچھ لکھوائیں۔ اسکول پر لکھوائیں۔ والدین، اساتذہ، بہن بھائی، پسند ناپسند، ڈھیر سارے موضوعات ہیں جن پر بچے بآسانی لکھ سکتے ہیں۔ لکھنا سیکھیں گے تو سمجھنا بھی سیکھیں گے۔ ایک لکھای قوم کا ترجمان ہوتا ہے۔ لکھنا بھی آنا چاہیے۔

7: اصول پسندی: گھر میں چند اصول وضع کریں۔ پہلے بچوں کو ان کی افادیت بتا کر قائل کریں۔ بعد ازاں اس پر سختی سے کاربند رکھنے کے لیے پوری تگ و دو کریں۔ جوتے کہاں اتارنے ہیں؟ کپڑے کہاں ٹانگنے ہیں؟ یونی فارم فوراً تبدیل کرنا ہے۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔ اس طرح مزید اور اصول بنا کر بچوں میں اصول پسندی اور منظّم زندگی گزارنے کی عادت ڈالیں۔ یاد رکھیں! اس معاملے میں کبھی سمجھوتا نہ کریں۔ بے اصولی پر مناسب گرفت ضرور کی جانی چاہیے۔

8: خود مثال بنیں: بچوں کو جیسا بنانا چاہتے ہیں خود بھی ویسا بننے کی کوشش کریں۔ جو بات انہیں کہیں خود بھی عمل کریں۔ یاد رکھیں! خود عمل کیے بغیر صرف آرڈر جاری کرنا اپنی محنت ضائع کرنے والی بات ہے۔ بچے سنتے کم دیکھتے زیادہ ہیں۔ جیسا ماحول ویسا کردار ہو گا۔ انہیں جیسا دکھایا جائے گا ویسے ان کی شخصیت کی تعمیر ہو گی۔

تربیت کے درج بالا چند اصول گراں قدر مربی حضرات کے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے بچے آپ کے لیے دنیا میں نیک نامی اور افتخار کا باعث بنیں گے۔ بچے والدین کی سب سے قیمتی دولت ہیں۔ ان کی حفاظت اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ دھیان رہے کہیں یہ دولت زندگی کی مصروفیات کی نظر ہو کر ضائع نہ ہو جائے۔ زندگی جتنی بھی مصروف ہو، بچوں کے لیے وقت ضرور نکالیں۔

Perfect®
Freshener

HAR KHUSHI MEIN
APKE SAATH!

عيد مبارك

Perfect
Freshener
Room
BLO
GENTLEMAN
Perfect
اصلي
ASLEE
LA PERFUME
Dry
HEAVEN
PERFUME
SE

Available on Daraz: www.daraz.pk/shop/perfect-freshner/

perfectairfreshener
PFfreshener
www.se.com.pk
info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

اردو تحریر... شریعت کی روشنی میں!

سوال: شرعی نقطہ نظر سے ہماری قومی زبان "اردو" کی کیا حیثیت ہے؟ اور مذہبی حوالے سے اس کا درجہ کیا ہے؟ نیز دورِ حاضر میں دینی خدمات کے لیے اردو ادب کا سیکھنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ تحریر کا فن (خواہ کسی بھی زبان میں ہو) آج کے ترقی یافتہ دور میں جتنا عام اور اہم ہو گیا ہے، تاریخِ انسانی میں شاید اس سے پہلے کبھی نہیں رہا۔ دنیا بھر میں ہر زبان میں لاکھوں رسائل چھپ رہے ہیں۔ اگرچہ الیکٹرانک میڈیا کا بہت شور ہے۔ ہر شخص ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر (انٹرنیٹ) سے حاصل ہونے والی معلومات کے سحر میں گرفتار نظر آتا ہے، لیکن تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ کتب اور رسائل (پرنٹ میڈیا) سے حاصل ہونے والا علم، ٹی وی اور کمپیوٹر سے حاصل ہونے والی معلومات سے کہیں زیادہ مؤثر اور دور رَس نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔ کتاب میں جو چاشنی ہے، وہ کسی دوسرے میڈیا میں نہیں۔

ابلاغ و تشہیر کے جتنے ہی ذریعے ہوں اور ان میں اضافہ ہی ہوتا رہے، ان کی اصل تحریر کی صورت میں باقی رہے گی۔ پھر تمام قدیم و جدید ذرائع ابلاغ میں کتاب یا کاغذ جتنا مؤثر ذریعہ تھا اور ہے، وہ ہمیشہ رہے گا۔ اگر زمانہ قدیم میں کتاب اور کاغذ اکیلا و تنہا ذریعہ ابلاغ ہونے کی وجہ سے اہم گردانے جاتے رہے ہیں تو آج ذرائع ابلاغ کے ہجوم میں بھی کتاب یا تحریر کی اہمیت و حیثیت مسلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جوں جوں سائنسی ترقی ہو رہی ہے توں توں کتاب کی طباعت و اشاعت کے فن میں بھی چار چاند لگتے جا رہے ہیں اور مجموعی طور پر کتب کی تعدادِ اشاعت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ آج کے فتنہ پرور دور میں کتاب یا رسالہ ایک نہایت مؤثر و جائز ذریعہ ابلاغ و اشاعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند عشروں سے علمائے حق اور دین کا درد رکھنے والے دیگر مسلمانوں نے کتب، رسائل اور اخبارات کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی ترویج و تبلیغ کے کام کو مستقل بنیادوں پر آگے بڑھایا اور پھیلایا ہے۔

تحریر ایک نازک اور مقدس عمل ہے۔ یہ قوم کے مزاج اور سوچ کی رہ نما ہے۔ تحریر قلم کی امانت ہے، چنانچہ تحریر خواہ رسالے کے لیے ہو، اخبار کے لیے ہو، انٹرنیٹ کے لیے ہو یا آپ کوئی کتاب لکھ رہے ہوں... اس کا موضوع کچھ بھی ہو... تحریر کو پورے اہتمام، توجہ اور واضح مقصد کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ کسی بھی قسم کی دینی تحریر (خواہ اس کا موضوع کچھ بھی ہو) لکھتے وقت اسے کارِ ثواب سمجھتے ہوئے اللہ کی رضا، خلوصِ دل، پوری توجہ وانہماک اور اصول و قواعد کی پابندی کرتے ہوئے الفاظ تحریر کرنے چاہییں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کو جب اردو کانفرنس (انڈیا) میں شرکت کی بذریعہ اشتہار و خط دعوت شرکت پیش کی گئی تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

"اس خط کو پڑھ کر قلب میں ایک حرکت پیدا ہوئی کہ اس خدمت میں حصہ لیا جائے۔ چونکہ متعارف خدمتوں کی نہ تو صلاحیت نہ قوت اور غالباً ایک خاص خدمت کی طرف کسی نے توجہ بھی نہیں کی۔ اور وہ یہ ہے کہ اس تحریک کا شرعی درجہ کیا ہے؟ اس کی ضرورت بھی اس لیے محسوس ہوئی کہ اس وقت اس مسئلہ نے تمدن و قومیت سے بڑھ کر مذہبیت کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لیے خیال ہوا کہ اس کے متعلق ایک مختصر تحریر منضبط کر کے بھیج دی جائے۔"

اس تحریر میں پہلے چند آیات اور حدیث وفقہ کی روایات نقل فرمائی گئی ہیں اور پھر ان سے اردو کی دینی و شرعی حیثیت و درجہ کے متعلق نتائج اخذ فرمائے گئے ہیں۔ تمہیدی مقدمات کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے اردو کے متعلق جو تشریح فرمائی ہے وہ بلفظہ ملاحظہ ہو:

"اس کے بعد معلوم ہو گیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے۔ اس بنا پر یہ حفاظت حسبِ استطاعت، طاعت اور واجب ہو گی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ ہو گا۔" (امداد الفتاویٰ)

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں سورۃ قلم کی آیت "الذی علّم بالقلم" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء و طلبہ نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں! فإلی اللہ المشتکی"

عربی و اردو کے نامور انشا پرداز و مصنف مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"یہ میری بڑی خوش نصیبی تھی کہ ابتدائے عمر اور عربی تعلیم کے آغاز ہی کے زمانہ میں میں نے اردو زبان و ادب کی معیاری کتابیں پڑھ لیں۔ دین کے جن داعیوں اور علما کو آغازِ عمر میں اپنے ملک کی زبان و ادب کے مطالعہ اور اس کا ذوق پیدا کرنے کا موقع نہیں ملتا یا بڑی عمر میں وہ ان کا مطالعہ کرتے ہیں، ان کو دین کی مؤثر دعوت دینے اور دینی حقائق کی تفہیم و تعلیم میں نیز جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں دینی مقاصد کو دلنشین کرنے میں دقت پیش آتی ہے اور ان کی انشا و تحریر میں وہ طاقت اور دل آویزی نہیں ہوتی، جس کی اس عہد میں ضرورت ہے۔" (کاروانِ زندگی)

علامہ مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: "ہر زمانہ کا ایک ماحول ہوتا ہے، زبان ہوتی ہے، تعبیر کا طریقہ ہوتا ہے۔ جب تک ماحول کی ساری خصوصیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان ہی اصطلاحات اور تعبیرات میں آپ اپنی معلومات پیش نہیں کریں گے جو اس عہد کا قالب خاص ہوتا ہے تو آپ کی طرف نہ کوئی توجہ کرے گا اور نہ آپ کی باتوں میں وزن پیدا ہو گا۔" (ماہنامہ الجامعہ: جھنگ، اگست 1948ء)

اور استاذ العلماء حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی وصیت ہے:

"اگرچہ میں نے عربی ذوق کے دفاع کے لیے ہمیشہ اردو زبان سے احتراز کیا، لیکن اب

مجھے اس پر بھی افسوس ہے۔ ہندوستان میں اب دین کی خدمت کے لیے اردو اور باہر کی دنیا میں انگریزی کو ذریعہ بنایا جائے۔ میں اس بارے میں آپ صاحبان کو خاص طور پر وصیت کرتا ہوں۔" (حیاتِ انور از مخدوم ازہر شاہ قیصر : 42)

دور کیوں جائیے ! یہ دیکھیے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے صرف چند ایک کتابیں عربی میں تالیف فرمائی ہیں۔ باقی تمام تر ذخیرہ تصانیف وتالیفات اردو زبان میں ہے۔ اور اب تو اردو زبان بین الاقوامی زبان بنتی جا رہی ہے' اس لیے ضروری ہو گیا ہے کہ دین کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے یہ فن سیکھا جائے اور چراغ سے چراغ جلاتے ہوئے اسے آگے سکھایا جائے' تاکہ دین کے داعی تیار ہوں اور امت مسلمہ کو درپیش فکری و نظریاتی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو کر میدانِ عمل میں اترا جائے۔ (تحریر کیسے سیکھیں؟)

ہوائی جہاز کے سفر میں نماز روزے کا حکم

سوال : ہوائی جہاز کے ذریعے کوئی شخص مغرب کی سمت جا رہا ہے' سورج غروب نہیں ہو رہا تو نماز کس طرح ادا کرے اور روزہ کس وقت افطار کرے؟ یا اس کے برعکس مشرق کی طرف جا رہا ہے جس کا دن بہت چھوٹا رہے گا تو اس صورت میں کیا حکم ہو گا؟

جواب : واضح رہے کہ مغرب کی طرف جانے والا شخص اگر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازے ان کے اوقات میں ادا کر سکتا ہو تو ہر نماز اس کا وقت داخل ہونے پر ادا کرے اور اگر اس کا دن اتنا طویل ہو گیا کہ چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازوں کا وقت نہیں آتا تو عام ایام میں اوقات نماز کے فصل کا اندازہ کر کے اس کے مطابق نمازیں پڑھیں۔ یہی حکم روزے کا ہے' اگر طلوعِ فجر سے لے کر چوبیس گھنٹے کے اندر غروب ہو جائے تو غروب کے بعد افطار کرے۔

ایصالِ ثواب کی حقیقت

سوال : شریعت میں ایصالِ ثواب کا کیا تصور ہے؟ اگر ایک شخص کوئی نفل عبادت تمام مسلمانوں کو بخش دے تو کیا ہر مسلمان مُردے کو مکمل ثواب ملتا ہے یا اس ثواب کو ان مُردوں میں تقسیم کیا جائے گا' نیز خود بخشنے والے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

جواب : واضح رہے کہ ہر انسان موت کے بعد نیک اعمال کے ایصالِ ثواب کا محتاج رہتا ہے اور نیک اعمال کا مُردوں تک پہنچنا تب ممکن ہے' جب کوئی مسلمان کسی عمل کا ثواب ان کو بخش دے۔ اگر کوئی شخص ایصالِ ثواب کے وقت تمام مسلمانوں کی نیت کرے تو تمام مسلمانوں کو برابر ثواب ملتا ہے اور خود بخشنے والا بھی اس عمل کے ثمرات سے محروم نہیں رہتا' اسی وجہ سے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ : "جب کوئی شخص نفل عبادت کے ایصالِ ثواب کا ارادہ رکھتا ہو تو بہتر یہ ہے کہ تمام مسلمان مُردوں کی نیت کرے"۔

قبرستان پر سلام کا جواب

سوال : قبرستان پر گزرتے ہوئے کون سی دعا پڑھی جائے' نیز "السلام علیکم" کا جواب بعد میں خود دینا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب : قبرستان پر گزرتے وقت "السلام علیکم یاأھل القبور ! یغفر اللہ لنا ولکم أنتم لنا سلف ونحن بالأثر" پڑھنا چاہیے' تاہم مُردوں کی طرف سے واپس سلام کا جواب خود دینا درست نہیں معلوم ہوتا' کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں یہی منقول ہے کہ کوئی بھی آدمی کسی بھی قبر والے کے پاس سے گزرتے ہوئے سلام کرتا ہے اور وہ اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو صاحبِ قبر بھی اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے' لہٰذا سلام کا جواب خود دینا ضروری نہیں ہے۔

اسمائے حسنیٰ میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں؟

سوال : آج کل عموماً اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ "عبد" کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں' مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون "عبد" کے پکارا جاتا ہے' حالانکہ بعض اسماء اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں' مثلاً : عبدالرزاق' عبدالصمد وغیرہ۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ وہ کون سے اسماء ہیں جن کا استعمال بندوں کے لیے صحیح نہیں ہے؟

جواب : واضح رہے کہ اسمائے حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو خود قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں' لہٰذا جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں' جیسے : رحیم' رشید' علی' کریم' عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے شروع میں عبد کا سابقہ لگائے بغیر استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ جیسے : "الرحمٰن، القدوس، الجبّار، المتکبر، الباری، الغفّار، القیّوم" وغیرہ۔

اپنا محاسبہ، کامیابی کی راہ

ام محمد مصطفیٰ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

جو شخص ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (بخاری)

اس حدیث میں لفظ "احتساب" اپنے اندر ایک وسیع معنیٰ رکھتا ہے' جس میں رمضان کا روزہ' ایمان کی پختگی اور احتساب کی نیت کے ساتھ رکھنے والوں کے گناہوں کو معاف کر دینے کی ضمانت دی گئی ہے۔ چوں کہ رمضان المبارک جنت کے حصول اور خود احتسابی کا مہینا بھی ہے۔ ماہِ رمضان خود احتسابی کا عظیم درس دیتا ہے۔ خود احتسابی عظیم صفت ہے جو بندہ مؤمن کی ترقی وعروج کا زینہ ہے۔ خود احتسابی یہ ہے کہ ہر بندۂ مومن ماہِ رمضان میں یہ غور کرے کہ پچھلی زندگی میں نے کیسی گزاری؟؟ کیا کھویا اور کیا پایا؟؟ اللّٰہ تعالیٰ کے کن کن احکام پر عمل کیا اور کن کن احکام کو پامال کیا؟ اپنی زندگی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق بسر کی یا نہیں؟؟؟ اس پر سنجیدگی سے غور وفکر کرنے' اپنی غلطیوں سے سبق لینے اور ان کی مناسب اصلاح کرنے کا نام خود احتسابی ہے۔

چوں کہ رمضان المبارک کا اختتام چند دن پہلے ہی ہوا ہے' اب اگر ہم رمضان المبارک سے پہلے کی اپنی زندگی کا محاسبہ کریں کہ ہم کتنے گناہوں میں ملوث تھے' پھر رمضان کا چاند نظر آیا ہم یک دم سے نیکوں کی صف میں آ کھڑے ہوئے اول وقت میں نماز' تلاوت قرآن پاک کی پابندی' صدقات' خیرات' تسبیح' ذکر معمولات یکسر بدل گئے لیکن ان پر دوام نہ ہو سکا شوال کا چاند نظر آتے ہی ہم نے پھر چولا بدل لیا' تو یہاں محاسبہ یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا یا ایسا کیوں کیا ہم نے؟

کیا یہ سوچنے کا اور افسوس کا مقام نہیں' ہمارا نفس ہم سے دھوکا کر رہا ہے یا ہم اپنے رب سے دھوکا کر رہے ہیں۔

"نیکی تو وہ ہے جو دائمی ہو اگرچہ تھوڑی ہو۔"

ہمارے بزرگوں کا معمول یہ رہا کہ وہ رمضان المبارک کے اختتام پر چھ ماہ تک اس کی یاد میں رویا کرتے کہ جو حق تھا وہ ادا نہ کر سکے مگر ہم اس طرح اس دنیا کی رنگینیوں میں مست ہو گئے ہیں کہ ابھی عید کا چاند دیکھا اور ابھی اپنا بھیس بدلا پھر وہی کھیل تماشے لہو ولعب ہمارے ارد گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ کیا یہ تھی ہماری کمزور نیکی جو عارضی طور پر یا ریاکاری کے ساتھ صرف چند دنوں کے لیے ہمارے اوپر چھائی تھی۔ کیوں نہ ہم اس بار رمضان کے بعد بھی نیکی کے دامن کو تھام کر رکھنے کا عزم کریں' اپنے نفس کو خود پر غالب نہ آنے دیں کیوں کہ اس نفس کو سرکش گھوڑے سے تشبیہ دی گئی ہے اگر اس کی لگامیں وقت پر کس لیں تو قابو میں آ جائے گا ورنہ اس کی منہ زوری کہاں لے جا کر پٹخے کچھ بعید نہیں۔

امام ابن الجوزی کا یہ قول ہمیں اپنے احتساب کی دعوت دیتا اور ہمیں جھنجھوڑتا ہے "اگر اس مہینے میں بھی خسارہ ہی اٹھانا ہے تو نفع کب کماؤ گے؟ اگر اب بھی نقصانات کو خیر آباد کہہ کر فوائد کی طرف رخت سفر نہیں باندھو گے تو کب باندھو گے۔"

مقصدِ حیات

آسیہ عمران

انسان جب اس کائنات پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کسی بڑے نظام کا حصہ ہے۔ اور اس بڑے نظام میں ہر ایک کا مقرر کردہ کام یا مقصد ہے۔ سورج' چاند' ستارے ایک طرف ایک بڑے نظام سے متعلق ہیں۔ دوسری طرف ان کے طے کردہ کام ہیں۔ جن سے وہ ذرہ برابر انحراف نہیں کرتے۔

دوسری طرف ایک اور مشاہدہ اسے حیران کر دیتا ہے کہ کائنات کی وہ اشیا جو اپنے مقرر کردہ اہداف کو پورا کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ اُن کا وجود تک مٹ جاتا ہے ایک چھوٹے سے گھر میں کام کرنے والی ملازمہ بھی گھر کی ان اشیا کو جو بے کار ہوتی ہیں باہر پھینک دیتی ہے اور اسے اس میں کوئی تامل محسوس نہیں ہوتا۔

ایسے میں انسان اپنے مقصد کی تلاش پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ پہلے مرحلے پر وہ اپنا موازنہ کائنات کی دیگر مخلوقات سے کرتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ جانور پیدا ہوتے ہیں' بڑھتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور اپنا سامان زندگی جمع کرتے' نسل کی بقا کے لیے بچے پیدا کرتے او مر جاتے ہیں۔

جانوروں میں بھی دو طرح کے جانور پاتا ہے۔ ایک وہ جو انسانوں یا دوسرے جانوروں کے کام آتے ہیں ان کی نسل باقی رہتی ہے اور جو کسی کام کے نہیں ہوتے ان کی نسل مفقود ہو جاتی ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح نہیں۔ کھانا' پینا' سونا' نسل بڑھانا اور چلے جانا اس کا مقصد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ کچھ اور طرح کا ہے۔ وہ آسمان کی فضاؤں کو بھی استعمال کر رہا ہے تو سمندروں کی وسعتوں پر بھی بہنے کا سلیقہ سیکھ چکا ہے۔ وہ اپنے روزِ اوّل سے لے کر آج تک بہتری کی طرف سر گرداں رہا ہے۔ آج وہ ایک کمرے میں بیٹھ کر انگلی کی حرکت سے تمام تر ضروریات زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ جب کہ جانوروں کا اندازِ زندگی صدیوں پہلے سے قطعی مختلف ہے۔ انسان ہے کہ وہ تسخیر کائنات میں بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اپنے وجود پر غور کرنے سے اسے ایک اور بات پتا چلتی ہے کہ وہ جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ اسے جسمانی ضروریات کی تکمیل کا سامان زمین سے میسر ہے کہ یہ وجود خاکی یہیں سے اٹھا ہے۔ البتہ روح بے چین ہے۔ جس کی غذا روحانی ہے۔ اس کا بندوبست آسمانوں سے ہی ممکن ہے۔ لہٰذا وہ انسانوں کا ایک سلسلہ پاتا ہے جو خالق کائنات کی طرف سے رہنمائی لاتے رہے۔ انبیاء کرام کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انتہا کو پہنچتا ہے۔

ایسے میں جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب اور سیرتِ رسول اللہ سے رہنمائی لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ خالق کائنات جس نے اسے تخلیق کیا۔ وہ ہی بتا سکتا ہے کہ کائنات کے اشرف وجود کا مقصد حقیقی کیا ہے۔ خالق حقیقی نے قرآن میں اسے اپنی نیابت کے مقام پر سرفراز کیا ہے۔ نائب وہی کام کرتا ہے جو اسے اس ہستی سے تفویض کیے ہوئے ہیں جس کا وہ نائب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

اللہ رب العزت نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

عبادت کا مطلب بندگی یعنی اپنے مالک کی منشا کے مطابق چلنا۔ پھر پورا قرآن انسان کے لیے بندگی کی حدود طے کرتا ہے۔ اسے بتاتا ہے کہ اسے کون سے کام کرنے ہیں اور کن کاموں سے رُکنا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اسے اس کائنات پر اللہ کے نظام کے قیام کے لیے بھیجا گیا ہے۔ قرآن اسے بتاتا ہے کہ یہ کام وہ آسانی سے نہیں کر سکے گا۔ اس کے مخالف شیطان کی صفیں ہیں جس نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ حضرتِ انسان کو بہکائے گا آگے سے پیچھے سے' دائیں بائیں سے اس پر حملہ آور ہو گا اور اپنی تمام تر قوتیں اس نظام کے نفاذ کو روکنے پر لگا دے گا۔ دوسری طرف خواہشات نفس رکھ دی گئیں۔ جو اسے دنیا کی رنگینیوں میں کھونے پر آمادہ کریں گی۔ لہٰذا کام بڑا مشکل ہو گا۔ سخت آزمائش ہو گی مگر رب کی مدد اس کی فوجیں حق کے راستے پر ساتھ ہوں گی۔ شرط یہ ہے کہ اسے خود کو منوانا پڑے گا۔ ثابت کرنا پڑے گا کہ وہ سچا ہے اپنی لگن' جستجو اور وعدے میں۔ بحیثیت مجموعی اپنا مشن جان لینے کے بعد اگلا مرحلہ طے کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ اس پوری کائنات میں ہزاروں انسانوں کے درمیان اس کا خاص کام کیا ہے۔ جس کے لیے خاص طور پر اسے پیدا کیا گیا اس مقصد کو جاننے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کے لیے پہلا قدم خود شناسی ہے۔ انسان خود کو سمجھے کہ اللہ ربی نے جس کام کے لیے اسے پیدا کیا اس کام کے اشارے اس کے اندر موجود ہوتے ہیں۔

خیر کا وہ کام جسے کرتے ہوئے وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔ جس سے اسے طاقت اور توانائی ملتی ہے۔ جسے وہ بغیر غرض یا لالچ کے کرتا ہے۔ وہ دراصل اس کا مقصد زندگی ہوتا ہے۔ انسان اس قدر ہی بڑا ہوتا ہے جتنا کہ اس کا مقصد زندگی بڑا ہوتا ہے۔ وہ انسان جو اپنی ہی ذات کے حصار میں ہو۔ اس کا نفع اسی تک محدود ہو وہ کوئی بڑا انسان نہیں ہوتا۔ اپنے جیسے ہزاروں بونوں کے ساتھ بونا ہی ہوتا ہے۔ اس کا قد صرف اس وقت بڑھتا ہے جب وہ دوسروں کے لیے جینے کا گر جانتا ہے۔ وہ کسی کے آنسو پونچھتا ہے تو کسی کے لیے

بقیہ صفحہ 18 پر

امراض و احتیاط

آنتوں کے امراض

حکیم شمیم احمد

بیماریوں کی آماجگاہ

آنتوں کے امراض کو جنم دینے میں سب سے زیادہ اہم کردار قبض کا ہے۔ اطبّا نے اس کو اُمّ لاامراض کہا ہے۔ اس قبض کی وجہ سے جسم کئی بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

صبح تڑکے گھوڑے کی سواری کی مشق کے دوران ایک سرخ اور سفید رنگت کے بلکہ سُرو کے درخت کی طرح سیدھے اور توانا بزرگ ہاتھ میں لوٹا لیے سڑک سے پرے واقع پیلو کے درختوں کے جُھنڈ کی طرف تیز قدم چلتے ملا کرتے تھے۔ ان کی اس تیز قدمی کا سبب لوٹے کی وجہ سے تو سمجھ میں آتا تھا، لیکن پھر بھی ذہن الجھا رہتا تھا، آخر ایک روز گھوڑا روک کر سلام کیا اور معذرت کے بعد پوچھ ہی لیا کہ محترم کیا آپ کے گھر میں بیت الخلا نہیں ہے؟ اس پر وہ ہنس دیے اور بولے ”میاں ہر مسلمان گھر کی طرح میرے گھر میں بھی بیت الخلا ہے، مگر صبح روزانہ دو میل میرے چلنے کی ایک تو وجہ یہ ہے کہ باقاعدہ ورزش ہو جائے، دوسری وجہ کیا بتاؤں؟ یوں سمجھ لیجیے، یہ ایک اہم ضرورت ہے، جس کا پورا کرنا میری عمر میں بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ صحت کا مسئلہ ہے جو آپ کی عمر میں تنگ نہیں کرتا، لیکن میری عمر میں اس کی وجہ سے صحت کے کئی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک مرض ہے، جسے قبض کہتے ہیں، یعنی پیٹ جوانی کی طرح وقت پر خالی نہیں ہوتا۔ دو میل کی اس روزانہ کی ورزش سے یہ مسئلہ مجھے تنگ نہیں کرتا، بلکہ بھوک تیز، صحت بہتر اور جسم توانا رہتا ہے۔ میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ ”آنت بھاری، ماتھا بھاری، قبض نہیں ہوگا تو جسم ہلکا اور مضبوط رہے گا اور دماغی صلاحیتیں بھی ہمیشہ توانا رہیں گی۔

دانش مندانہ طریقہ

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ قبض کی شکایات دورِ حاضر میں بہت ہی عام ہو گئی ہے، لیکن یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ ماضی میں یہ موجود نہیں تھی۔ طبِّ اسلامی، طبِّ ہندی اور چینی طبّ کے علاوہ تقریباً تمام مقامی طبوں میں اس سے نجات کے لیے کئی قسم کے اطریفل، گولیاں اور سفوف مستعمل تھے، ان کے علاوہ لوگ زیتون کا تیل اور روغن دار سالن بلکہ شوربے، دال وغیرہ کا استعمال بھی اس مقصد کے لیے کرتے تھے۔ غذا میں پھوک یا ریشے کی مقدار بڑھا کر بھی اس سے مستقل نجات حاصل کرنے کا دانش مند طریقہ بھی عام تھا۔

صحت کی بحالی

سب سے پہلے نیند پوری کرنے کی کوشش کیجیے، کچھ عرصہ آپ بستر پر جلد لیٹنے کے باوجود سو نہیں سکیں گے، لیکن اس پر عمل کرتے رہیے۔ لیٹے لیٹے گہرے سانس، دھیرے دھیرے لیتے رہیے، ذہن کو زیادہ سے زیادہ خالی رکھنے کی کوشش کیجیے۔ روٹھی ہوئی نیند آپ سے من جائے گی۔ ہر رات چھ سے آٹھ گھنٹے کی نیند سے آپ کے جسم کے تمام نظام بحال ہونے لگیں گے، بھرپور نیند لینے کے بعد صبح کے وقت آدھے گھنٹے کی ورزش کو اپنا معمول بنا لیجیے۔ اس سے آپ ذہنی طور پر آسودہ رہنے لگیں گے، جسم کی سستی دور اور دماغ تیز ہو جائے گا۔

نمایاں تبدیلی کی گواہی

ورزش ضروری ہے: جسم میں فاضل چربی کے کم ہونے سے پھیپھڑوں کے علاوہ قلب پر رہنے والا دباؤ بتدریج ہٹتا چلا جاتا ہے، اس لیے ورزش جو بھی ہو، اس سے پہلے دو تین گلاس تازہ پانی ضرور پئیں، اس طرح آنتوں کی خشکی اور سستی دور ہو کر اچھی بھوک لگے گی۔

صحت کا خیال کیجیے: ناشتے میں دلیے اور چوکر والی روٹی، تازہ دہی، تازہ دودھ اور تازہ پھل شامل کیجیے۔ آپ صبح ناشتے میں بھی ملی جلی سبزیوں کی تھوڑی مقدار شامل کر کے صحت کی شاہراہ پر اپنی پیش قدمی کی رفتار بڑھا سکتے ہیں۔ یہ فائدے آپ کی زندگی میں نمایاں تبدیلی کی گواہی دیں گے۔ ہائی بلڈ پریشر، ذیابیطس اور گٹھیا وغیرہ جیسی شکایات میں نمایاں کمی آتی جائے گی۔ گردوں پر ان امراض کی وجہ سے پڑنے والا بوجھ کم ہوگا۔ اسی کے ساتھ شاہراہِ صحت پر آپ کی رفتار میں اضافہ ہوتا جائے گا اور آپ نفسیاتی شکایات کے علاوہ معاشی طور پر بھی فائدے محسوس کرنے لگیں گے اور غیر ضروری دواؤں سے نجات ذہنی آسودگی کا سبب بنتی جائے گی۔

قبض کا مؤثر علاج

اچھا ناشتا بھی قبض کا ایک مؤثر علاج قرار دیا جاتا ہے۔

نسخہ: بھوسی ملے آٹے کی روٹی اور دلیا ہے‘ جو آج کے دور میں سیریل (cereal) کے نام سے عام ہے‘ اس میں کون فلیکس قابلِ ذکر ہے۔

قدیم دیسی ناشتا: رات میں پانی میں بھگوئے ہوئے کالے چنے‘ صبح یہ کچے ہلکے بھون کر سبز مرچ‘ ہرے دھنیے اور پیاز کے ساتھ خوب چبا کر کھائے جاتے تھے‘ ان اشیا کے استعمال سے آنتیں صبح اول وقت میں خالی ہو جاتی تھیں اور انسان اس طرح تمام دن چاق و چوبند رہتا تھا‘ آنتوں کی سستی اسے تنگ نہیں کرتی تھی‘ اس لیے قبض کا تذکرہ بہت ہی کم ہوتا تھا۔

آج یہ معاملہ نہیں: رہن سہن کے انداز‘ غلط غذاؤں کا انتخاب‘ ورزش کا فقدان‘ چائے کی کثرت‘ میٹھی ٹھنڈی بوتلوں کے استعمال کی وجہ سے جسم سے پانی کے زیادہ اخراج اور خود پانی کے استعمال سے بے پروائی کے نتیجے میں قبض اور اس کی وجہ سے اجابت میں خون اور خونی و بادی بواسیر جیسی شکایات عام ہو گئی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں دوافروشوں کی دکانوں پر بیسیوں قسم کی قبض کشا دوائیں بھری پڑی ہوتی ہیں‘ لوگ اپنے انداز میں اس مرض کا علاج کرنے کی کوشش کرتے ہیں‘ جس کے فائدے عارضی اور وقتی ہوتے ہیں‘ جسم سے زہریلے مواد کے خارج نہ ہونے کے نتیجے میں آنتوں میں یہ مضرِ صحت اجزا جذب ہو کر بیماری کی کئی شکایات کا سبب بنتے رہتے ہیں‘ جن میں: 1۔ نیند کی کمی 2۔ بھوک کا غائب ہو جانا 3۔ معدے کی گرانی اور اس میں جلن اور پیٹ کا پھولا رہنا 4۔ نبض کی رفتار میں اضافہ 5۔ گھبراہٹ یا اختلاج کی شکایت 6۔ سستی‘ کاہلی اور 7۔ دماغی صلاحیتوں کا دھندلا جانا قابلِ ذکر ہیں۔

اصل سبب کا تعین: لوگوں کی اکثریت خالی پیٹ گرم چائے یا کافی کی پیالی پی کر اس کا علاج کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کئی لوگ حقّے اور سگریٹ کے کش لگا کر آنتوں کو جگانے کی لاحاصل کوشش کرتے ہیں یا پھر قبض کشا گولیوں سے کام چلاتے ہیں‘ ان کے مقابلے میں جو لوگ گرم دودھ میں روغنِ بادام یا زیتون ملا کر پیتے ہیں یا پپیتا‘ سیب‘ امرود کھاتے ہیں وہ زیادہ فائدہ میں رہتے ہیں۔ یہ تمام تدابیر اس وقت تک کام یاب ثابت نہیں ہوتیں‘ جب تک قبض کے اصل سبب کا تعین نہ کر لیا جائے‘ کیوں کہ اس مرض کا رہن سہن یا طرزِ حیات سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں رہن سہن کے انداز معاون صحت ثابت نہیں ہوتے۔ سماجی زندگی میں جو تبدیلیاں آگئیں ہیں‘ ان سے ہماری صحت پر سخت مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ سب سے اہم وجہ جسمانی نقل و حرکت‘ ورزش اور کھیل کی کمی ہے۔ شہروں میں ناشتے اور کھانوں کے دیگر اوقات میں بھاری روغنی اور مسالا دار اشیا کے استعمال میں اضافہ مثلاً‘ ناشتے میں حلوا پوری‘ نہاری‘‘ دوپہر اور رات کے کھانوں میں مسالے دار ڈشوں اور ریشے دار اشیا کا کم مقدار میں استعمال‘ کفین آمیز مشروبات‘ چائے‘ کافی‘ کولڈ رنگ کے استعمال میں نمایاں اضافہ‘ پانی کا کم پینا ذہنی دباؤ میں اضافہ اور اس کا علاج ایسے ہی مشروبات سے کرنے کی کوشش‘ رات دیر گئے تک جاگنا اور صبح حوائج ضروریہ سے پوری طرح فارغ ہوئے بغیر لشتم پشتم میدے سے بنی اشیا پیٹ میں پہنچا کر دکان یا دفتر کا رخ کرنا‘ ان سب کی وجہ سے معدے اور جگر کی صحت کے ساتھ ساتھ آنتوں کا فعل بھی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔

اَعصابی نظام کی خرابی کا سبب

بہت سی دوائیں بھی اِعصابی نظام کو متاثر کرنے کا سبب ہوتی ہیں۔

جن میں: 1۔ درد دور کرنے والی دوائیں اور بعض معدنی نمک کی اضافی مقداریں شامل ہیں۔

2۔ فلو کی دواؤں کی وجہ سے بھی اِعصابی نظام متاثر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ خود لاحق ہونے والے یعنی قبض کا علاج نہ کروانے کی صورت میں کئی تکالیف کا سبب بن جاتا ہے‘ جن میں سر کا درد‘ بھاری پن‘ معدے کی گرانی اور نفخ کی وجہ سے زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ ان شکایت کے جاری رہنے سے بواسیر‘ ضائد آنت کی سوزش (appendix) آنتوں بالخصوص بڑی آنت میں روکاٹ‘ ورم اور بالآخر سرطان جیسے امراض آ گھیرتے ہیں۔ ان میں اکثر کا درست علاج‘ رہن سہن کے انداز میں تبدیلی سے ہو جاتا ہے۔

اس طرح آپ نہ صرف قبض سے نجات پا سکتے ہیں، بلکہ کئی خطرناک امراض سے بھی محفوظ ہو سکتے ہیں۔

پختہ عزم

اس مضمون کے ذریعے جو ہدایات دی گی ہیں‘ ان پر عمل پیرا ہونے سے ایک قبض ہی کیا کئی عارضوں سے آپ نجات حاصل کر سکتے ہیں‘ شرط صرف ایک ہے کہ آپ کا عزم پختہ ہو اور آپ اپنے ہی خواہ بن کر طرزِ حیات کو یکسر بدلنے کی کوشش میں لگ جائیں۔

بقیہ

مقصدِ حیات

کندھا‘ کسی کو محبت کے دو بولوں سے سیراب کرتا ہے تو کسی کے غموں کی گٹھڑی اٹھاتا ہے۔ کسی کو راستہ دکھاتا ہے تو کسی کو انگلی پکڑ کر منزل تک پہنچاتا ہے۔ کسی کو اٹھا کر کھڑا کرتا ہے تو کسی کو ذوقِ پرواز دیتا ہے۔ ایسے دن رات کی آنکھ مچولی میں جب اس کی زندگی تمام ہوتی ہے تو وہ کامیاب ٹھہرتا ہے۔

یاد رہے کہ زندگی میں کسی بھی بڑے مقصد کو جگہ دینے کے لیے چھوٹے چھوٹے رذیل مقاصد کو زندگی سے نکالنا پڑتا ہے۔ گھر‘ گاڑی اور بنگلے کی دوڑ سے نکلنا پڑتا ہے کہ یہ بھاری چیزیں تو روکنے والی ہیں۔ مسافر تیزی سے سفر تب ہی کر سکتا ہے جب بوجھ کم ہو۔ وہ لوگ جو دولت کی دوڑ میں زندگیاں بتا گئے۔ آج ان کا کوئی نام تک نہیں جانتا سب مٹی میں مل گیا اور جو دوسروں کے لیے جیتے رہے ایسے حضرات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ وہ آج بھی زندہ ہیں۔ صدیوں بھلائے نہ جا سکیں گے۔ انبیاء کرام کے پاکیزہ مشن پر چلنے والے لوگ رازِ زندگی پا جاتے ہیں اپنی زندگی کا بہترین صرف کر کے اُخروی زندگی کے بہترین کا مستَحق ٹھہرتے ہیں۔ مشکلاتِ زندگی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ وہ وقت کی کمی کا رونا بھی نہیں روتے۔ ان کے در دان کے ہی اور ہوتے ہیں۔

انسان کے پاس زندگی کی اعلیٰ ترین نعمتیں ہیں۔ اگر مقصدِ زندگی نہ ہو تو سب بے کار ہے۔ اگر زندگی کا مقصد معلوم ہے تو آپ قابل مبارکباد ہیں۔ اور اگر نہیں معلوم تو سوال اٹھائیں۔ بار بار خود سے پوچھیں۔ ہر سنجیدہ سوال کا قدرت جواب ضرور دیتی ہے اگر پھر بھی پتا نہ چلے تو رب سے مانگیں۔ وہ آپ کے اندر مقصدِ حیات جاننے کی صلاحیت پیدا کر دے گا۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A trusted name in jewellery since 1974

EXPLORE

THE WONDERFUL WORLD OF GLORIOUS JEWELS!

☎ 021 35835455,
35835488

S-11, Yousuf Grand Square,
Block 8, Clifton, Karachi

newzaibyjewellers

بلاعنوان

اُمِّ نُسیبہ

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 جولائی ہے

وہ دم بخود اس ننھی سی گڑیا کو تکے جا رہی تھیں۔ ان کے پاس اس کے سوالات میں سے کسی ایک کا بھی کوئی جواب نہ تھا، فقط آنسو تھے۔ ”نانو آپ خاموش کیوں ہیں، پلیز بتائیں نا؟“ نو سالہ ماہم کا پورا وجود ہی گویا اشکوں کی برسات کے ساتھ سراپا سوال تھا۔

”بولیں نا۔۔۔ میرا گھر کون سا ہے؟ بتائیں مجھے“ ماہم ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

”میری بچی۔۔۔“ حمیدہ بیگم کے منہ سے فقط اتنا ہی نکل سکا۔ انہوں نے ماہم کو بھینچ کر گلے لگا لیا۔

”پتا ہے نانو۔۔۔ میری ساری دوستیں اپنے ابو کے ساتھ اسکول آتی ہیں اور ”پیرنٹس میٹنگ“ میں ان کے ساتھ ان کے امی ابو دونوں آتے ہیں، شاپنگ بھی امی ابو کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ جب اپنے امی ابو کی باتیں کرتی ہیں تو میں ان کے پاس سے اٹھ جاتی ہوں۔ مجھے نہیں اچھی لگتیں ان کی باتیں۔۔“ ماہم کے گلابی گالوں سے آنسوؤں کا سیلِ رواں اب بھی جاری تھا اور حمیدہ بیگم کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے۔ ننھی سی بچی کے دل میں دکھوں کے دریا موجزن تھے۔ ان کا دل پھٹ رہا تھا مگر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھیں۔

***

”دماغ خراب مت کرو اور دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔“ الفاظ نہیں تھے انگارے تھے جو آمنہ کے سر پر برس رہے تھے۔ یہ کوئی آج کی بات نہ تھی۔ اکثر ہی آمنہ اور کاشف کے درمیان جنگ چھڑی رہتی تھی۔

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ عورت غربت برداشت کر لیتی ہے مگر بے وفائی نہیں۔ ایسا ہی کچھ آمنہ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ شادی کو سات سال گزرنے اور ایک بیٹی کے بعد اس کا ہم سفر اس سے بے وفائی کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ غیر عورت کے ساتھ معاشقہ اور اس پر پانی کی طرح پیسا لٹانے پر اسے کوئی شرمندگی تھی نہ ہی کوئی ندامت۔ پانچ سالہ ماہم لرزتے دل کے ساتھ روز ہونے والے ان جھگڑوں کو دیکھا کرتی اور کچھ بھی نہ سمجھ پاتی البتہ اسے اتنا احساس ضرور تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے، غلط ہو رہا ہے۔ اس کا دل اس نئی صورتِ حال پر ڈوب ڈوب جاتا تھا۔

اور ایک دن بات ایسی بڑھی کہ کاشف نے تین الفاظ کہہ کر اس بندھن کو ایک ہی جھٹکے میں توڑ ڈالا۔ آمنہ روتی دھوتی میکے آ گئی۔ اس کی تو زندگی گویا ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ وقت کا پہیا گھومتا رہا اور دو سال گزر گئے۔ زندگی کسی حد تک اپنی ڈگر پر آ گئی تھی کہ ایک جاننے والوں کے ذریعے آمنہ کا رشتہ آیا۔ آمنہ کو منانے میں اس کے والدین کو کئی دن لگے اور والدین کے اصرار پر آمنہ دوسری شادی پر رضامند ہو گئی۔

آمنہ کی شادی شہزاد سے ہو گئی۔ شہزاد آمنہ کے لیے اچھا ثابت ہوا مگر اس نے چند دنوں بعد ہی ماہم کی ذمے داری اٹھانے سے انکار کر دیا۔ چھوٹی سی ماہم اپنے سامان کے ہمراہ جب نانا نانی کے گھر واپس لوٹ رہی تھی تو اس کا ننھا سا دل ماں کی جدائی میں لرز رہا تھا، یہ تصور ہی محال تھا کہ ماں کے بغیر وہ کیسے رہے گی۔ اس نے چپکے سے آنسوؤں کو صاف کیا اور بالآخر ماہم نانا نانی کے پاس رہنے لگی۔ کتنی ہی راتیں اس چھوٹی سی بچی نے چپکے چپکے روتے ہوئے گزاری تھیں۔ کوئی اس چھوٹی سی بچی کے دل میں چھپے درد کو محسوس نہ کر سکا۔ آمنہ کے لیے ماہم سے دور رہنا گو مشکل تھا مگر اب اس کے سامنے ایک نئی زندگی اور نئے رشتے تھے۔ دوسری طرف کاشف دوسری شادی کر کے اپنی بیٹی، اپنے خون کو بھول بھال گیا اور آمنہ بیٹے کی پیدائش کے بعد اس میں مصروف ہو گئی۔

آج اسکول میں ماہم کی دوستوں میں سے کسی نے ماہم کے امی ابو کے بارے میں اس سے پوچھ لیا۔

”ماہم تم نے آج تک اپنی فیملی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ جب بھی تم سے پوچھو، تم جواب ہی نہیں دیتیں۔ تم ہمیشہ اپنے نانا کے ساتھ اسکول کیوں آتی ہو؟ کیا تمھارے امی ابو نہیں ہیں؟“

ماہم کی دوست نے اس سے پوچھا اور ماہم ایک بار پھر جواب دیے بغیر وہاں سے اُٹھ گئی۔ دوست کی جانب سے پوچھا جانے والا ہر سوال اس کے اندر توڑ پھوڑ پیدا کر رہا تھا اور گھر آ کر اندر کا لاوا پھٹا تو نو سالہ ماہم جسے زندگی کے نشیب و فراز نے وقت سے پہلے ہی بڑا اور باشعور کر دیا تھا اپنی نانی کے سامنے سراپا سوال بن گئی، کہ میرا کیا جرم ہے؟ مجھ سے کہاں غلطی ہوئی کہ میں ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیم ہوں۔۔۔۔۔۔؟؟

ایسی لاکھوں ماہم ہمارے ارد گرد موجود ہیں جو بظاہر نارمل زندگیاں گزار رہی ہیں اور اپنی زندگی میں والدین کی کمی کے ایک خلا کو برداشت کر رہی ہیں۔

والدین سے التجا ہے کہ خدارا اپنے بچوں کے درد کو محسوس کریں اور انہیں معاشرے کے رحم و کرم پر تنہا نہ چھوڑیں کہ یہ بھی گوشت پوست کا جسم اور دھڑکتا ہوا دل رکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ بچے معاشرے کا ناسور بن جائیں اور کل لوگوں کے ہاتھوں میں اپنا لہو تلاشتے پھریں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے جب کوئی قوم عروج پر ہوتی ہے تو وہ اخلاقی لحاظ سے بھی بہترین ہوتی ہے اور جب زوال کا شکار ہوتی ہے تو اخلاقی لحاظ سے بھی پست سطح پر گر جاتی ہے۔ یعنی اس قوم کا کوئی کردار باقی نہیں رہتا۔ اس وقت رمضان کی مبارک ساعتیں گزری ہیں۔ وہ مہینا جو صبر کی تربیت دیتا ہے۔ ہم اس عظیم صفت کو شعوری طور پر اپنا کر نہ صرف اپنے لیے جنت کے راستے آسان کر سکتے ہیں بلکہ اپنے ہمہ گیر زوال کو بھی روک سکتے ہیں۔ ملّتِ اسلامیہ کو تباہی سے بچا سکتے ہیں کہ رب کا وعدہ ہے۔ صبر کرنے والے ہی غالب آتے ہیں اور ان کی مدد کے لیے فرشتے تک اترتے ہیں۔

اندھیری گلی

تنزیلہ یوسف

"اندھیری گلی" میں قدم رکھتے پہلے تو دل کانپا' فرض شناسی کا جذبہ غالب آیا تو قدموں کی رفتار میں تیزی آگئی۔ ہاسٹل سے ہسپتال کو باہم جوڑتی یہ گلی اکثر راہ گیروں کو ان کے مال و متاع سے محروم کردیا کرتی تھی' یہی وجہ تھی کہ کوئی بھولا بھٹکا ان جانے میں یہاں آنے کی غلطی تو کر بیٹھتا تھا لیکن جنہیں علم تھا' وہ یہاں آنے کی غلطی کبھی نہ کرتے۔ ہاسٹل سے نکلنے میں دیر ہوئی تو اس گلی سے نکلنے کا سوچا۔ ہاسٹل کے باہر بیٹھے بابا جی سے خریداری کرنا معمول تھا' جس پر ساتھی ڈاکٹرز اسے مزاح کا نشانہ بنانے سے باز نہ آتیں اور وہ بھی برا مانے بنا سب کھلونے ایک ایک کرکے مریض بچوں میں بانٹ دیتی۔ بچوں کے چہروں پر در آنے والی مسکراہٹ اسے جو اطمینان بخشتی وہ بیان سے باہر ہے۔

"ڈاکٹر سارہ جلدی پہنچیں مجھے ایمرجنسی میں گھر جانا پڑ رہا ہے۔ امی کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔" ڈاکٹر مزنہ کی کال آنے پر وہ جلدی جلدی نکلنے کی تیاری کرنے لگی۔ ہاسٹل گے گیٹ کے باہر حسب معمول بابا جی بیٹھے نظر آئے تو بڑھتے قدم یک دم ہی تھمے اور جلدی سے کچھ کھلونے خریدے اور ہسپتال کو جانے والی "اندھیری گلی" میں سوچتے ہوئے قدم رکھ دیے۔ ہاتھ میں پکڑا اکچھ اور کھلونوں کا شاپر مضبوطی سے تھامے تیز تیز گلی عبور کرنے لگی کہ اچانک سامنے سے آتے موٹر سائیکل سوار نے اس کی چادر کھینچی۔

***

"شاید کبھی کی کوئی نیکی کام آگئی ہے جو آج اللہ نے محفوظ رکھا' ورنہ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔"

ڈاکٹر سارہ کے دل کی ڈھڑکنیں ہموار ہوئیں تو ساتھی ڈاکٹر سے کہے بنا نہ رہ پائی۔

"کسی بھی نیکی کے بڑا یا چھوٹا ہونے کا فیصلہ خود اللہ سبحانہ وتعالی کرتا ہے۔ ہم بندے اس پر مامور ہوتے تو سوائے اپنے ہر کسی کی نیکی کو حقیر گردانتے۔" ڈاکٹر نیلوفر نے ڈاکٹر سارہ کے ہاتھ کی پشت دباتے ہوئے کہا' جس کی تائید اس نے سر ہلاتے ہوئے کی۔

"ڈاکٹر سارہ جلدی آیئے' ایمرجنسی کیس ہے۔"

***

"کہنی تک ایک بازو اور گھٹنے تک ایک ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔" سینئر ڈاکٹر نے ایکس رے دیکھتے ہوئے تاسف کا اظہار کیا۔

"سر دکھ کی بات تو یہ ہے کہ مریض کے ساتھ لواحقین میں سے کوئی نہیں۔ آس پاس کے لوگوں نے دیکھا تو یہاں لے آئے اور جان بچ گئی وگرنہ وہیں پڑا دم توڑ دیتا۔"

"آپ جانتی ہیں یہ کون ہے؟ ڈاکٹر سارہ!"

"نہیں سر! میں بھلا کیسے جانتی ہوں گی؟" سارہ کو اچھنبا ہوا۔

"یہ وہی ہے جس نے "اندھیری گلی" میں اندھیر مچا رکھی تھی۔ اب دیکھو کیسے پکڑ میں آگیا ہے۔" سینئر ڈاکٹر نے انکشاف کیا۔

***

"یا اللہ! میں نے سارا معاملہ تیرے سپرد کیا۔ تو بہتر جانتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے؟ ہاں مگر ہدایت کی دعا ضرور کروں گی۔" آنکھوں میں بے بسی کے احساس سے آنسو بھر آئے تو دکھی دل سے فریاد بھی نکلی۔ چادر اچھی طرح اپنے گرد لپیٹی اور تیز تیز چلتے گلی عبور کرگئی۔ اس کا فرض اسے جلدی کرنے پر اکسا رہا تھا۔ اپنے دکھی دل کی فریاد کو نظرانداز کرتی بے اختیار اپنے ساتھ یہ سب کرنے والے کی ہدایت کی دعا کرتی ہسپتال کی ایمرجنسی کا گیٹ عبور کرگئی۔

***

وہ ایک ہاتھ اپنے کہنی تک کٹے بازو کے ساتھ جوڑے اس سے معافی کا طلب گار تھا جس نے اپنی مسیحا کے ساتھ دست درازی کی تھی۔

"میں نے تمہیں تبھی معاف کردیا تھا اور دعا کی تھی کہ اللہ تمہیں ہدایت کی راہ دکھائے۔ مجھے خوشی ہے کہ اللہ نے میری دعا کو قبولیت کا شرف بخشا' اب توبہ کرو اور ہمیشہ کے لیے اس کام سے تائب ہوجاؤ۔ بلاشبہ وہی ہے جو اپنے بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔" ڈاکٹر سارہ نے روشنی کی راہ کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی اس یقین کے ساتھ اب یہ کبھی اس برے کام کی طرف نہیں جائے گا اور "اندھیری گلی" بھی اب "اندھیری گلی" نہیں کہلائے گی۔

ہم نے رسمِ محبت کو زندہ کیا

بنت عامر

مسلسل گھنٹی کی آواز سے مصطفیٰ الشنبری کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی تو رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ ان کی پیشانی پہ فکر سے شکنیں پڑ گئیں اور یہ جاننے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا کہ باہر کون ہے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ باہر یقیناً اسرائیلی فوج ہے جو ان کے گھر پہ چھاپہ مارنے اور توڑ پھوڑ مچانے آئی ہے۔

یروشلم کے مضافات میں واقع بستی "الشیخ جراح" میں آج کل حالات کچھ ایسے ہی تھے۔ یہودی یہاں سے فلسطینیوں کو نکال کر اپنی آبادیاں قائم کرنا چاہتے ہیں لہٰذا انہوں نے فلسطینیوں کو مخصوص مدت تک کا وقت دے رکھا تھا کہ اس کے اندر اندر وہ یہاں سے نقل مکانی کر لیں اور اردن میں جا کر بس جائیں۔ اسی مقصد کے تحت وہ آئے روز مظلوم فلسطینیوں کے گھروں میں چھاپے مارتے اور ان کو نقصان پہنچاتے تھے۔

مسلسل گھنٹیوں کی آواز سے سب گھر والے بیدار ہو چکے تھے۔ مصطفیٰ الشنبری نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو فوجیوں نے اسے زوردار دھکا دیا اور بے دھڑک گھر میں گھستے چلے گئے۔ اور چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیں، پھر مصطفیٰ کو گریبان سے پکڑ کر کہا: "تمھیں ایک مہینے کا وقت دیا تھا، گھر خالی کرنے کے لیے۔ 15 دن گذر چکے ہیں تم نے ابھی تک تیاری شروع نہیں کی۔

"یہ میرا گھر ہے، میری سرزمین ہے، میں اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جاوں گا۔" مصطفیٰ غرایا۔ اس پر فوجی نے اس پر گرفت اور مضبوط کر لی تو مصطفیٰ کی چھوٹی بیٹی مریم باپ کو بچانے کے لئے آگے بڑھی۔ آنکھوں میں غصہ لیے وہ ننھی سی بچی فولاد کی طرح کھڑی اسے مکاد کھانے لگی۔

"میرے والد کو چھوڑ دو۔ اور خبردار ہمارے گھر آئندہ آنے کی جرات مت کرنا۔" وہ اپنے والد کو چھڑاتے ہوئے چیخی جس پر فوجیوں نے حیرت سے اس چھ سالہ بچی کی بہادری کو دیکھا پھر استہزائیہ انداز میں اسے پیچھے کو دھکا دیا اور ساتھ کھڑے مصطفیٰ الشنبری کے دس سالہ بیٹے محمد کو پکڑ لیا اور ہتھکڑی لگاتے ہوئے کہا: "اگر اپنا بیٹا زندہ سلامت چاہتے ہو تو جلد از جلد یہ گھر خالی کر دو ورنہ محمد کی لاش کسی چوک پہ لٹکی ملے گی" اس نے ام محمد کو انگشت شہادت لہراتے ہوئے کہا۔ ام محمد کے رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ محمد نے ایک نظر ماں پر ڈالی اور گویا ہوا: "ماں جی! حوصلہ رکھیں، ہمت نہ ہاریں۔ بیٹے قربان کر دیں مگر سرزمین فلسطین کا سودا نہ کریں۔" ام محمد نے اثبات میں سر ہلایا اور الوداعی انداز میں اسے ہاتھ ہلانے لگیں۔ ارض فلسطین کی خاطر وہ ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار تھیں۔

***

"ہمارے والد بہت پریشان ہیں۔ اسرائیلیوں نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اور رات تو وہ بھائی کو بھی گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں دس دنوں کے اندر اندر گھر خالی کر کے یہاں سے نکل جاؤ۔" مہابہ اور مریم گذشتہ رات کی روداد اپنی سہیلیوں کو سنا رہی تھیں۔ انہوں نے 'عصفورات القدس" (القدس کی چڑیاں) نام کی بچوں کی چھوٹی سی ٹیم بنا رکھی تھی جو القدس کے دفاع کے لیے چھوٹی موٹی تحریکیں چلاتی رہتی تھی۔

"ہاں ابراہیم البسامی کو بھی اگلے مہینے تک کا وقت دیا ہے۔ ان کو بھی اسرائیلی ایسے ہی تنگ کرتے ہیں۔ یہ یہود بے بہبود ہمیں الشیخ جراح سے نکالنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ہم کٹ مریں گے، مگر اپنی سرزمین ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ یوسف بولا۔ "بالکل! ہم الشیخ جراح سے ہرگز نہیں نکلیں گے"۔ حنظلہ نے فضا میں ہاتھ لہرایا اور نعرہ لگایا: بالروح بالدم نفديك يا اقصى جان اور خون کے ذریعہ ہم تم پر فدا ہو جائیں گے اے اقصیٰ

پھر عصفورات القدس نے چارٹ پیپر پہ بڑا بڑا "لن نرحل" (ہم ہرگز نہیں جائیں گے) لکھ کر بہت سی تختیاں بنا کر الشیخ جراح کے ہر گھر کے باہر اسے آویزاں کر دیا۔

***

ام محمد نے گاڑی سے سامان نکالا اور گاڑی لاک کر کے گھر کی طرف بڑھنے ہی لگی تھیں کہ چند یہودی نوجوانوں نے انہیں گھیر لیا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس، سر کی دونوں جانب لمبی چوٹیاں لٹکائے، کالی ٹوپیاں پہنے ان لڑکوں نے ام محمد کے گرد دائرہ سا بنا لیا: "تم بازار سے اتنا سامان کیوں خریدنے گئی تھیں؟ اب یہ ہمارا گھر ہے، اس میں ہم رہیں گے!" ایک لڑکے نے ان کے ہاتھ سے تھیلا چھینا اور تھیلے میں رکھی سبزی ایک ایک کر کے فضا میں پھینکتا گیا۔

"چھوڑ دو میرا راستہ۔ یہ میرا گھر ہے اور مرتے دم تک میں یہیں رہوں گی۔" ام محمد نے ایک لڑکے کو دھکا دے کر گھیرے سے نکلنا چاہا مگر ان لڑکوں نے فوراً گھیرا تنگ کر لیا اور وہ تالیاں پیٹنے لگے۔

"جانتی ہو ہم کیوں آئے ہیں؟" ایک لڑکے نے قہر آلود قہقہہ لگایا، پھر اپنے ہاتھ میں موجود اسرائیلی جھنڈا لہرایا اور اس کے گھر کی چھت کی طرف اشارہ کیا" اسے ہم چھت پہ لگائیں گے" پھر وہ ان کی چھت پہ چڑھ گیا۔ وہاں لہراتا فلسطین کا جھنڈا پھینکا اور اسرائیلی جھنڈا لگا دیا جس پر ام محمد کی چیخ نکل گئی۔

"خدا تمھیں غارت کرے۔ تم لٹیرے ہو۔ ڈاکو ہو۔ غاصب ہو" وہ یہودی زور زور سے قہقہہ لگاتے تالیاں پیٹتے رہے۔ ام محمد کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے بے اختیار ان کی زبان سے نکلا "وامعتصماہ" (ہائے معتصم) مگر وہ بھول چکی تھیں کہ امت مسلمہ میں معتصم باللہ جیسا بہنوں کا محافظ کوئی نہیں ہے۔

***

مصطفیٰ الشنبری اپنی اہلیہ اور دونوں بیٹیوں مریم اور مہابہ کے ہمراہ اپنے گھر کے باہر کھڑے تھے۔ ام محمد آنکھوں میں آنسو لیے وامعتصماہ! کہتی جا رہی تھیں۔ آج

اسرائیلیوں نے ان کے گھر پر قبضہ کر کے انہیں گھر سے نکال دیا تھا۔ مگر وہ کسی دوسری جگہ نہیں گئے اپنے گھر کے باہر ہی کھڑے ہوگئے۔ اندر یہودی رات بھر دعوتیں اڑاتے رہے۔ شراب کے دور چل رہے تھے۔ گانوں کا بے ہنگم شور اور ناچ۔ یہ بے بس گھرانا اپنے پاکیزہ گھر میں یہ سب ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کل تک اس گھر سے تلاوت گونجتی تھی اور آج یہ گھر بے حیائی کا اڈا بنا ہوا تھا۔ ان کے گھر کے سامنے رہنے والے موسی الکرخی نے انہیں کئی بار اپنے گھر ٹھرنے کی پیشکش کی۔ مگر اس گھرانے کی ضد تھی کہ ہم اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے اپنے گھر کے باہر ہی رات گذاریں گے۔

”بس اب اس گھر سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں' چپ کر کے یہاں سے نکل جاو ورنہ ہم تمہیں گولی مار دیں گے۔“ ایک اسرائیلی فوجی نے بندوق تانے کہا

”میں کہیں نہیں جاوں گا! مار دو مجھے گولی! القدس کی خاطر شہید ہونا میری سعادت ہے“۔ مصطفیٰ الشنبری نے قمیص اتار کر پھینکی اور سینہ تان کر کہا۔ اچانک ایک زور دار فائر ہوا اور گولی مصطفیٰ کے سینے کو چیرتی ہوئی گذر گئی۔ مصطفیٰ الشنبری نے شہادت کا مرتبہ پالیا تھا۔

هم نے رسم محبت کو زندہ کیا زخم دل جیت کر نقد جاں ہار کر
ہم سے بزم شہادت کو رونق ملی جانے کتنی تمنائیں مار کر

ام محمد روتی ہوئی ان کی جانب بڑھیں۔ مریم اور مہابہ بھی بابا! بابا! کہتی رونے لگیں۔ 10 سالہ مہابہ نے تنفر بھری نگاہ فوجیوں پہ ڈالی اور قریب پڑا ڈنڈا اٹھا کر ایک فوجی کو اس زور سے مارا کہ وہ گر پڑا۔ پھر مہابہ غرائی

اذا بلغ الفطام لنا صبی تخر له الجبابر ساجدینا

جب ہمارے بچے دودھ چھوڑنے کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو بڑے بڑے سر کش ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں

اتنے میں دو تین فوجی مہابہ کی طرف بڑھے اور اس کو ڈنڈوں سے مارنے لگے۔ اور ایک فوجی اس کا گلا دبانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ ام محمد چیخ رہی تھیں۔ ایک بیٹا وہ پہلے ہی کھو چکی تھیں۔ شہید شوہر کی خون آلود لاش ان کے قدموں میں پڑی تھی۔ اور اب سامنے بیٹی درد و کرب سے چیخ رہی تھی۔ اب مزید کسی کو کھونے کا ان میں حوصلہ نہیں تھا۔ الشیخ جراح کے لوگ بھی جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے بہت مشکل سے مزاحمت کر کے مہابہ کو فوجیوں کی زد سے چھڑوایا۔ موسی الکرخی زبردستی انہیں اپنے گھر لے آئے۔ ام محمد پوری رات کھڑکی سے اپنے گھر کو دیکھ کر روتی رہیں جہاں اب اسرائیلی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ جس طرح مصطفیٰ الشنبری نے اپنی جان القدس پہ فدا کر کے رسم محبت کو برقرار رکھا وہ بھی وہ بھی اپنی سرزمین کا سودا ہرگز نہ کریں گی۔ وہ بھی اپنی جان الاقصی پہ فدا کریں گی۔

اے بیت المقدس کی وارث ماؤں!!!

ام محمد عبداللہ

بیت المقدس امت محمدیہ کا عظیم ورثہ ہے۔ اس کے محافظ و خادم ہونے کا منصب اللہ پاک نے ہمیں بخشا ہے۔ اس کی خدمت و حفاظت ہماری غیرت و حمیت اور ایمان کا امتحان ہے۔

آئے دن فلسطینی مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و بربریت کی خبریں سن کر بے حسی کی چادر اوڑھ کر سونے کی روایت ترک کرتے ہوئے اے عظیم امت وسط کی بیت المقدس جیسے عظیم ورثے کی وارث ماؤں!

آج ایک کام ضرور کرو۔

اپنے پالنے کے بچوں کو لوری میں۔۔۔۔

اسکول جاتے بچوں کے حافظے میں۔۔۔۔

جوانوں کے جوش مارتے دلوں میں۔۔۔۔

ادھیڑ عمر کو پہنچے باشعور اذہان کو۔۔۔۔۔۔

سعودی عرب کے فرماں روا شاہ فیصل مرحوم کی ایک تقریر سے اخذ کیے گئے یہ چند حقائق بتا دو۔۔ سمجھا دو۔۔ جتا دو۔۔۔۔۔ شاید کہ تمہاری یہ کوشش بار آور ثابت ہو اور بیت المقدس کی پاک سرزمین کو یہود کے ناجائز قبضہ سے آزاد کرانے کا خواب ایک بار پھر اس امت کے بیٹوں کی آنکھوں میں جگمگانے لگے۔

① یہودی فلسطین کے اصل باشندے نہیں ہیں۔

② یہودی دراصل بیرونی حملہ آور تھے جو فلسطین پر طاقت سے مسلط ہونے کے بعد کچھ عرصہ فلسطین پر مسلط رہے اور اس کے بعد نکال دیے گئے۔

③ فلسطین میں ان کی موجودگی کا عرصہ نہایت مختصر تھا۔

④ فلسطین میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے لے کر آج تک کبھی خالص یہودی حکومت قائم نہیں ہوئی۔

⑤ فلسطین میں یہودیوں کی کبھی اکثریت نہیں رہی

⑥ جب فلسطین سے یہودیوں کو نکال دیا گیا تو اس میں صرف اس کے اصل باشندے ہی رہ گئے جو شروع سے لے کر آج تک وہیں رہ رہے ہیں۔

⑦ سولہ سو سال کی طویل مدت میں فلسطین میں کبھی کوئی یہودی آباد نہیں رہا۔

⑧ عربوں کی حکومت تقریباً ساتویں صدی سے فلسطین میں رہی۔

⑨ آج وہاں سیکڑوں تاریخی عمارات موجود ہیں جو عرب طرز تعمیر کا نمونہ ہیں۔

ان سب حقائق سے منہ پھیرتے ہوئے ناجائز اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرنے کی مہم جوئی اور ارض فلسطین کے اصل مکینوں یعنی فلسطینی مسلمانوں پر یہود کے ظلم و ستم پر خاموش رہنا ایک ناقابلِ معافی اور ناقابلِ تلافی جرم ہے۔

امت کی ماؤں!

اٹھو اور اپنے پالنے کے بچے سے لے کر ادھیڑ عمر کو پہنچی اولاد تک کو بتا دو' سمجھا دو جتا دو کہ: ”بیت المقدس ہماری غیرت و حمیت اور ایمان کا امتحان ہے۔“

بہو ہو تو ایسی!

ارم شمیم

حسنین حامد صاحب کا ایک ڈیری فارم تھا، جہاں سے مختلف دکانوں پر دودھ اور مکھن سپلائی کیا جاتا تھا، شروع شروع میں تو ان دکان داروں سے انہیں باقاعدگی سے رقم ملتی رہی، لیکن پھر آہستہ آہستہ کچھ یوں ہونے لگا کہ رقم وصول ہونے میں تاخیر ہونا شروع ہوئی اور پھر اس تاخیر کی مدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آخر یہاں تک نوبت آ گئی کہ رقم ادا کرنے کے لیے دکان دار صرف وعدے ہی کرنے لگے۔ دوسری جانب حسنین حامد صاحب کے مزاج میں مروّت اور رحم دلی ایسی غالب تھی کہ وہ باقاعدگی سے ان دکان داروں مال دیتے رہے۔ مارکیٹ میں ان کی رحم دلی بھی مشہور تھی اور دکان داروں کا ان سے برتاؤ بھی، چناں چہ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کئی نئے لوگ بھی مستفید ہونے لگے۔ کب تک ایسا چلتا، نقصان تو ہونا ہی تھا۔ بیس لاکھ روپے کا نقصان برداشت کرنا بہت ہی مشکل تھا۔ چناں چہ حامد صاحب دل کے بھی مریض ہو گئے، شوگر بھی ہو گئی۔ محض مالی نقصان اور صحت کے مسائل تک ہی بات نہ رہی۔ بلکہ گھر کے حالات بھی خراب ہوتے چلے گئے۔ بیوی سے پہلے نوک جھونک ہونے لگی، پھر ان بن اور پھر کشیدگی رہنے لگی۔ روزانہ کی ضد، بحث، اور چیخ و پکار سے پریشان ہو کر حامد صاحب اولڈ ایج ہوم میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے دو بیٹے انجنیئرنگ کر رہے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں اس چپقلش میں ان بچوں کا کیریئر تباہ نہ ہو جائے۔ چناں چہ انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ علاحدگی اختیار کر لی جائے۔

اولڈ ایج ہوم میں ان کی طرح اور بھی کئی دکھوں کے مارے پناہ لیے ہوئے تھے۔ گزشتہ سال جب کرونا کی وبا پھیلی تو وہاں سے سب کو نکال دیا گیا۔ ان میں سے کئی بزرگ فٹ پاتھ پر بسیرا کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بے چارے حامد صاحب بھی خانہ بدوشوں کی طرح کبھی کسی دوست کے یہاں اور کبھی کسی رشتے دار کے یہاں رہنے لگے۔ کسی بھی جگہ مسلسل رہنا یا زیادہ دن رہنا کسی طور مناسب نہ تھا، حامد صاحب کی مجبوری اور مشکل اپنی جگہ لیکن انہیں یہ احساس بھی فکر کھائے رکھتا کہ ان کی وجہ سے اس گھر والوں کی آپس میں چپقلش نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے اصل رشتہ اور تعلق ایک ہی فرد سے ہوتا تھا۔ جس شخص کو اپنے ہی گھر سے نکلنا پڑا ہو اس کا بھلا دوسرے کیوں اور کب تک خیال کریں۔

خانہ بدوشی کا سلسلہ جب زیادہ دراز ہونے لگا تو انہوں نے اسلام آباد میں ایک ایسے ادارے میں مستقل رہائش اختیار کر لی جو اصل میں یتیم بچوں کی پرورش کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ لیکن یہاں کچھ ایسے بزرگ بھی رہائش پذیر تھے۔ جن کے اپنے بہت تھے لیکن کوئی اپنا اپنا نہ رہا تھا۔ ایک انٹرویو کے دوران میں حسنین حامد صاحب سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ کا کوئی مستقل ٹھکانا نہیں، آپ کی صحت بھی خراب ہے، اس تنہائی سے آپ کا دل نہیں گھبراتا؟ مسکرا کر کہنے لگے: ”جب میں نے یہاں سکونت اختیار کی تو یہاں پرورش پانے والے کئی یتیم بچے مجھ سے بہت مانوس ہوتے چلے گئے اور وہ مجھے دادا ابو کہنے لگے۔ ان کے محبت بھرے جملے مجھے راحت اور سکون پہنچانے لگے، بچوں کا رویہ اور ان کی باتوں سے تنہائی کا بالکل بھی احساس نہیں ہوتا۔ وہ اکثر اپنی پڑھائی اور مصروفیت سے فارغ ہو کر میرے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور مجھ سے مختلف سوالات کرتے ہیں، میری کوشش ہوتی ہے انہیں تسلی بخش جواب دوں۔ اس سے بچے بہت خوش ہوتے ہیں۔ یہ بچے اور ان کے جملے دل بہلنے کا ایسا سامان ہے، جسے چھوڑ کر اب کہیں جانے کو جی چاہتا ہے نہ ہی خیال آتا ہے۔“ اس انٹریو کا ایک سوال جواب اصل میں ہم اس تحریر میں شامل کر رہے ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ یہاں رہتے ہوئے کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپ کو بہت متاثر کیا ہو؟ ان کا جواب تھا: ”جی ہاں! یہاں دو بزرگ میاں بیوی میرے ساتھ ہی رہتے تھے۔ ان کے سگے بیٹے انہیں یہاں چھوڑ گئے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک دن ان کی ایک بہو یہاں آئی، جس نے اپنے شوہر، دیور، اور جیٹھ سے تحریر لکھوا کر دستخط کروا لیے تھے کہ یہ اب میرے ابو امی ہیں، میں انہیں اب یہاں ایک پل بھی تنہا نہیں رہنے دوں گی۔ میں سمجھتا ہوں یہ لاکھوں میں ایک ہی ایسی بہو ہو گی، جس نے اپنے ساس سسر کی قدر کی اور اتنا بڑا قدم اٹھایا۔ حالاں کہ ان کے بیٹوں نے ان کی دل آزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تلخ ماضی کے پیشِ نظر وہ دونوں اپنی بہو کے ساتھ جانے میں رضا مند نہیں تھے۔ اور اشک بار ہو کر کہہ رہے تھے: ”ہمارے بیٹوں نے ہمارے دلوں کے آبگینے توڑ دیے ہیں. اس لیے اب ہم بقیہ زندگی یہی گزار لیں گے۔“ لیکن ان کی بہو نے اس انداز سے ان سے گفتگو کی کہ ان کے دل موہ لیے اور یقین دلایا کہ وہ اپنے ماں باپ سے زیادہ ان کی خدمت کرے گی۔ اور ان شاء اللہ میری ذات سے انہیں کبھی کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی پھر کہنے لگی: ”آپ کے پوتے، پوتیاں شدت سے گھر پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ بہو نے آخر میں یہ التجا بھی کی: ”بیٹوں نے آپ کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے، انہیں معاف کر دیں تاکہ ہم سب آپ کے زیر سایہ رہ کر پھولیں پھلیں اور روحانی خوشی حاصل کر سکیں۔“ بہو کی اس روح پرور گفتگو نے ان کے دل جیت لیے اور وہ ان کے ساتھ جانے پر رضا مند ہو گئے۔

کفارہ

نبیلہ شہزاد

سعدیہ کسی ایسے تھکے مسافر کی مانند کرسی کی پشت پر سر ٹکائے اپنی سوچوں میں گم تھی‘ جس نے تپتے ہوئے صحرا میں ننگے پاؤں برسوں پیدل سفر کیا ہو۔ راستہ دشوار گزار و خاردار اور منزل ابھی بہت ہی دور۔ نہ کوئی سبب نہ زادراہ۔

”میرے اور میرے بھائی کے ناتواں کندھوں پر اتنا بڑا بوجھ۔ ؟اس کفارے کے بوجھ سے ہم کیسے چھٹکارا حاصل کریں گے ؟ ہم کیسے اس آزمائش میں سرخرو ہوں گے ؟ یا اللہ آپ ہماری مدد فرمائیں۔“ آنکھوں سے اشک رواں ہونے لگے۔ سوچوں کا یہ تسلسل اس وقت ٹوٹا جب جماعت دوم کی ایک بچی اپنی کاپی کا کام چیک کروانے آئی۔

”مس جی۔۔! مس جی! میں نے کام مکمل کرلیا ہے‘ یہ دیکھیں۔“

***

جاوید عرف بھگو بچپن سے ہی جھگڑالو اور ضدی طبیعت کا مالک تھا۔ اسکول میں تیسری جماعت میں مسلسل دو بار فیل ہونے کے بعد جب ماسٹر صاحب نے اس کے والد کو صاف صاف کہہ دیا کہ ”ہم آپ کے بچے کو مزید پڑھانے سے قاصر ہیں۔ یہ اپنی پڑھائی میں بے حد نکما ہونے کے ساتھ ساتھ عادات واطوار میں بھی خوب بگڑا ہوا ہے۔ دوسرے بچوں کے ساتھ ہر وقت لڑائی جھگڑا اور مار کٹائی اس کا معمول ہے۔ لہٰذا اب اسکول بھیجنے کی بجائے اس سے اپنے گھر کو رونق بخشیں۔ یوں بھگو صاحب کی تیسری سے چوتھی جماعت میں منتقلی کی نوبت ہی نہ آئی اور محض چودہ سال کی عمر میں پڑھائی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ فارغ البال بھگو کی صلاحیتیں اور زیادہ پروان چڑھیں۔ اس نے گاؤں کے دو تین اپنے جیسے لڑکے ساتھ ملائے۔ ابتدائی کاروائیوں میں لوگوں کی مرغیاں چرا کر کھیتوں میں ہی آگ جلا کر بھون کر کھا لیتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ بھگو کی وارداتوں میں دن بہ دن ترقی ہوتی گئی۔ چھوٹی موٹی چوریوں کے بعد بڑی بڑی چوریاں اور بعد ازاں یہ کاروبار ڈاکے ڈالنے تک پہنچ گیا۔ اس گروہ میں مزید ان جیسے لوگوں کا اضافہ ہوا پھر یہ گروہ علاقے میں بھگو گینگ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

بھگو گینگ کے لوگ رات کے وقت مین روڈ پر سرعام اسلحہ تان کر لوگوں سے مال چھین لیتے۔ اس علاقے کے لوگ محتاط رہنے لگے اور مغرب کے بعد کم ہی سفر کرتے۔ لیکن پھر بھی ان کے ہاتھ کوئی نہ کوئی شکار ضرور لگ جاتا۔

برائی چاہے جتنی بھی چمک دمک والی ہو لیکن اس کا انجام ہمیشہ بدترین ہوتا ہے۔ اس کے مقدر میں ذلت ورسوائی ہی ہوتی ہے۔ یوں بھگو کا انجام بھی ذلت والی موت پر ہوا۔ بھگو ایک اشتہاری ملزم تھا وہ اور اس کی گینگ کے کئی لوگ پولیس مقابلے میں مارے گئے۔ بھگو کی زندگی کا قصہ تمام ہوا۔ لیکن دنیا کی نظر میں اپنے بداعمال کی سیاہی اپنے بچوں کے لیے چھوڑ گیا۔ جن کی عمریں اس وقت بالترتیب‘ بیٹی کی چھ سال اور بیٹے کی دو سال تھی۔ لوگوں نے اس کے جرم کو اس کے مرنے کے بعد بھی معاف نہیں کیا تھا۔ اس کے بچوں کو لاشعوری کی عمر میں ہی گاؤں کے دوسرے بچوں سے تمسخر کے طور پر ”چور کی اولاد“ کا لقب سننے کو ملا۔ کسی نے ان کی یتیمی کا بھی لحاظ نہ رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گاؤں کے دوسرے بچوں میں گھل مل نہ سکے۔ ان کی والدہ ایک صابرہ وشاکرہ خاتون تھی۔ شوہر کی زندگی میں بھی وہ بجھی بجھی رہتی۔ اسے حرام کمائی سے منع کرتی‘ چاہے جواباً اسے مار ہی پڑ جاتی۔

شوہر کے بعد اس خاتون نے اپنے بچوں کی خوب اچھی تربیت کی۔ خود محنت کر کے اپنے بچے پالے۔ انہیں جھوٹ اور چوری سے نفرت دلائی۔ انہیں یہ سبق رٹایا کہ تم نے اپنے اچھے اعمال سے اپنے باپ کے گناہوں کا بھی کفارہ ادا کرنا ہے اور اس کے لیے صدقہ جاریہ بننا ہے۔ فرماں بردار بچوں نے اپنی والدہ کی یہ نصیحت پلو سے باندھ لی اور اپنی منزل کے حصول میں مگن ہو گئے۔

سعدیہ نے ایف ایس سی کے بعد ایک پرائیویٹ اسکول میں ٹیچنگ شروع کر دی لیکن اپنی پڑھائی بھی ساتھ جاری رکھی۔ تنخواہ پر ٹیچنگ اس کی مجبوری تھی۔ کیوں کہ وہ گھر کی معیشت میں اپنی والدہ کی معاون بننا چاہتی تھی۔ لیکن اس نے ایک مزید کام بھی کیا کہ اپنے اسکول کے غریب اور پڑھائی میں کمزور بچوں کا انتخاب کیا اور انہیں گھر بلا کر مفت ٹیوشن دینی شروع کر دی۔ اس کام میں اس کا بھائی جنید بھی معاون تھا۔ جو خود ابھی میٹرک کا طالب علم تھا‘ ان کے پاس کافی بچے جمع ہو گئے۔ اب یہ بچے زیادہ تر ان گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے‘ جو پہلے انہیں مشکوک سمجھتے تھے۔ جن کے نزدیک ان کا تعارف صرف چور کی اولاد تھا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ لوگوں کے نظریات ان کے بارے میں بدلنے لگے۔ پھر بھی کبھی کبھار‘ کسی نہ کسی صورت میں کسی کے طنز کا تیر ان کے دلوں کو چھید کر رکھ دیتا۔ جب مشقت بھری زندگی میں ان کا وجود تھکنے لگتا تو اس وقت ماں کا پڑھایا ہوا یہ سبق ان کے تھکے ماندے وجود کو نئی جلا بخش کر تقویت فراہم کرتا کہ ”تم دونوں نے اپنے باپ کی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنا ہے“

بچے پھر نئے سرے سے اپنی منزل کے حصول کے لیے کمربستہ ہو کر اپنے سفر پر رواں ہو جاتے۔ جنید نے میٹرک بورڈ میں ٹاپ کیا۔ ایک مشہور ٹی وی چینل والے اس کا انٹرویو کرنے کے لیے اس کے گاؤں گئے۔ گاؤں کے چودھری نے چینل والوں کو ڈیرے پر ٹھروایا اور جنید کو بھی وہیں بلا لیا۔ چودھری صاحب اور گاؤں کے دیگر معززین‘ چینل والوں کے سامنے جنید کے ساتھ اپنی نسبت جوڑنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان پر آوازے کسنے والے شرمندہ شرمندہ نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ ہر جوان بیٹے کے باپ کے دل میں یہ آرزو چھلانگیں لگا رہی تھی کہ کاش! آج یہاں جنید کی جگہ اس کا اپنا بیٹا ہوتا۔ کیوں کہ اس گاؤں میں پہلی بار کسی کو یہ اعزاز ملا تھا۔ جب چینل والوں نے سوال کیا۔ ”جنید آپ نے اپنے مستقبل کے لیے کیا منصوبہ عمل ترتیب دیا ہے؟“

جنید نے دور کی گہرائی میں ڈوبی نگاہوں کے ساتھ جواب دیا: ”میری زندگی کا مشن ہے کہ میں اپنے دین وملت کی خدمت میں کچھ ایسا کر جاؤں جو میرے رب کو راضی کر کے میرے والد کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے۔“

معلوم نہیں کہ چینل والے کچھ سمجھ سکے یا نہ سکے لیکن گاؤں کے لوگ اس کے جواب کا مفہوم اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔

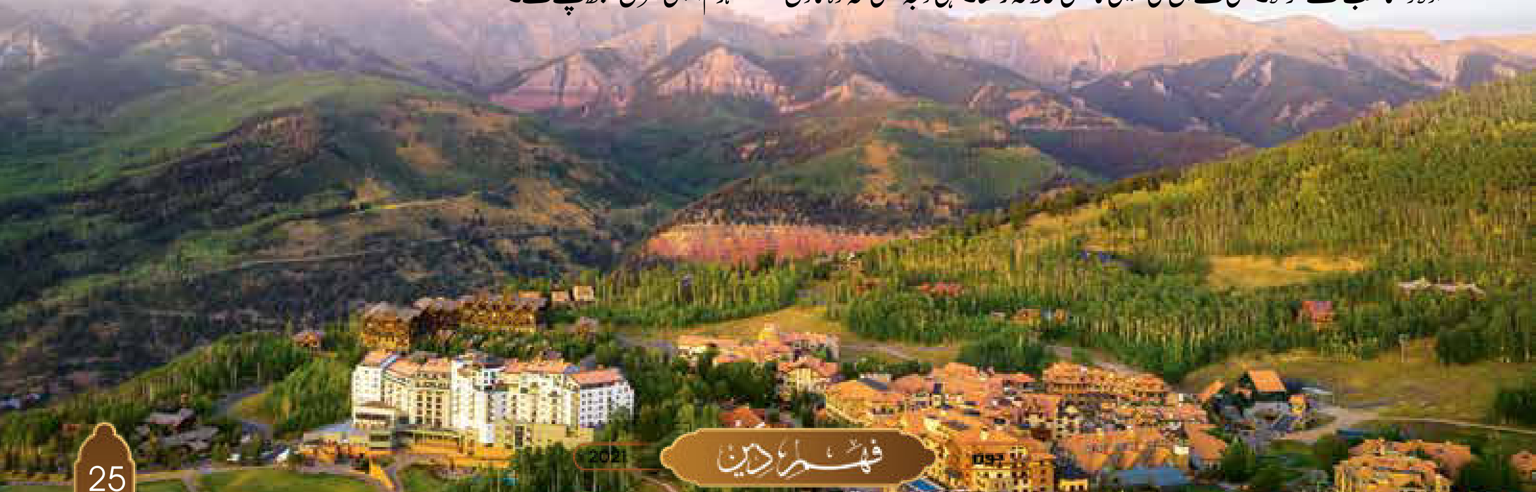

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

لہولہو
اقصیٰ کی پکار

بنت ایوب مریم

کعبے کی بیٹی مسجد اقصیٰ، فلسطین کے شہر یروشلم میں واقع ہے۔ یروشلم کا عربی نام القدس ہے۔ اس لیے مسجد اقصیٰ کو بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے۔ بیت المقدس کو قدس ہی کہا جاتا تھا لیکن نزول قرآن کے بعد اس کا نام مسجد اقصیٰ رکھ دیا گیا۔ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں ایک جانب چٹان پر سنہری گنبد تعمیر کیا گیا ہے، جسے قبۃ الصخرہ کہتے ہیں۔ قبۃ الصخرہ کو خلیفہ عبد الملک بن مروان نے تعمیر کروایا تھا۔ اس قبے میں وہ چٹان واقع ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم معراج پر تشریف لے گئے۔ قبۃ الصخرہ سے آگے مسجد عمر ہے، جو عیسائیوں سے چابی لینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر کروائی تھی۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ یہ انبیاء کرام علیہ السلام کی سرزمین فلسطین میں واقع ہے۔ بیت المقدس میں ایک کمرہ ہے، جہاں حضرت مریم علیہا السلام کو بے موسمی جنتی پھل آیا کرتے تھے اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔ مسجد کی مغربی دیوار کے ساتھ ایک کڑا ہے، جس کے ساتھ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سواری براق کو باندھا گیا تھا۔ مغربی دیوار کے ساتھ براق باندھنے کے سبب اسے دیوار براق کہا جاتا ہے۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو فلسطین میں نازل ہونے والے عذاب سے نجات عطا فرمائی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فلسطین میں بیٹھ کر ساری دنیا پر حکومت کی۔ چیونٹی اور حضرت سلیمان کی گفتگو کا مشہور قصہ فلسطین میں واقع عسقلان شہر کی وادی میں پیش آیا، جس کے بعد اس کا نام وادی النمل رکھ دیا گیا۔ طالوت و جالوت کا قصہ اسی شہر میں رونما ہوا۔ سورہ بقرہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے اسی شہر میں "داخل ہو جاؤ" کہنے کا ذکر ہے۔

بیت اللہ اور مسجد نبوی کے بعد مسجد اقصیٰ سب سے زیادہ فضیلت والی مسجد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "ایک آدمی کی ایک نماز اپنے گھر میں (ثواب میں) ایک نماز کے برابر ہے، اس کی نماز محلے کی مسجد میں، پچیس نمازوں کے برابر ہے، اس کی نماز جامع مسجد میں، پانچ سو نمازوں کے برابر ہے، اس کی نماز مسجد اقصیٰ میں، پچیس ہزار نمازوں کے برابر ہے، (اسی طرح) اس کی نماز میری مسجد (مسجد نبوی) میں، پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اسی شخص کی ایک نماز مسجد حرام میں، ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام نے چالیس سال کے وقفے سے دو گھر تعمیر کیے۔ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ اور فلسطین کے شہر یروشلم میں بیت المقدس۔ بیت اللہ اور بیت المقدس کی دوسری تعمیر حضرت حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ مل کر کی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت المقدس کی تعمیر کی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں چالیس ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ ان چالیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ بیت المقدس کی تیسری تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کروائی۔ ابھی تعمیر ادھوری تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام وفات پا گئے۔ اس ادھوری تعمیر کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے مکمل کروایا۔ جس میں ایک ایک پتھر یا چٹان دس فٹ چوڑا اور دس فٹ لمبا استعمال کیا گیا۔

مسجد اقصیٰ میں ایک اتنی بڑی چٹان ہے جس کی گہرائی کا آج تک کسی کو معلوم نہیں۔ اس چٹان میں ایک گوشہ ہے جس میں اڑھائی سو انبیاءؑ کرام علیہم السلام نے نمازیں ادا کیں۔ اسی چٹان پر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو آسمانوں پر بلا کر سفر معراج کروایا گیا۔

سورۃ اسراء میں معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ :

"پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو رات کے ایک خاص حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گرد و پیش ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ بڑا سننے اور دیکھنے والا ہے۔"

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کیں اور وہی ان کا قبلہ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو پیغمبری سے سرفراز کیا گیا تو بتایا کہ مسجد اقصیٰ اس سے پہلوں کا قبلہ رہا ہے اور مکہ میں بنی اسماعیل کے لیے بیت اللہ بنایا گیا ہے۔

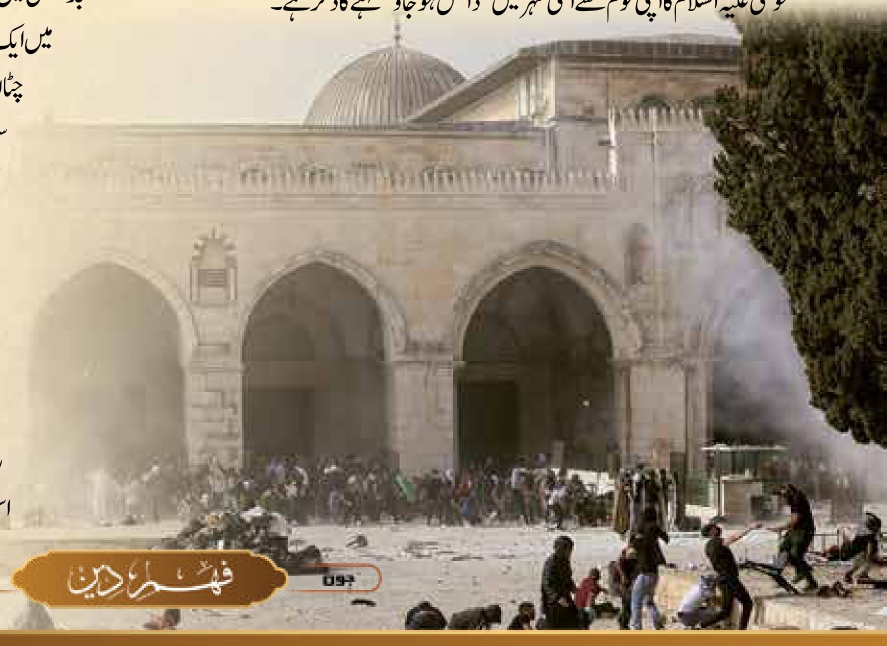

ایک قبلہ وہ ہے اور ایک قبلہ یہ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بتلانے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس طرح نماز ادا کرتے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ ہوتا۔ مکہ میں تیرہ سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صحابہ کرام اجمعین کے ہمراہ اسی طرح نمازیں ادا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ جا کر دونوں کی سمت الگ تھی۔ بیت اللہ ایک طرف تھا اور بیت المقدس دوسری طرف تھا۔ مدینہ میں چھ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور پھر قبلہ تبدیل کر دیا گیا۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو پانچ نمازوں کا تحفہ ملنے سے پہلے ہمارے پیارے نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بیت المقدس لے جایا گیا اور تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی ارواح کو جسم مثالی کے ساتھ بیت المقدس میں جمع فرمایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے امامت کروائی۔ تمام انبیاء کرام علیہ السلام کی اقتدا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی امامت سے ظاہر ہو گیا کہ دین اسلام تمام دینوں پر سبقت لے چکا ہے۔ تمام ادیان ختم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو پسند فرمایا۔ بیت اللہ کو حتمی قبلہ تسلیم کرنے کے لیے تمام انبیاء کرام علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔ بیت المقدس کے محراب کا رخ بیت اللہ کی طرف اور جماعت بھی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کروائی جاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں شام فتح ہوا اور جب بیت المقدس تک بات آ گئی تو عیسائی پادریوں نے سوچا اب لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ ہماری مقدس جگہ ہے اور ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دن اسے مسلمانوں کے حوالے کرنا ہے تو آپ اپنا خلیفہ بلا لیں۔ ہم اس کے ہاتھ میں چابیاں دے دیں گے۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلام کے ہمراہ سترہ پیوند لگے کرتے اور ایک اونٹنی پر دونوں باری باری سوار ہوتے ہوئے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ عیسائیوں نے چابی حوالے کی اور ہمیشہ کے لیے بیت المقدس مسلمانوں کے لیے کھول دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی اور نماز ادا کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر مسجد اقصی کے احاطے میں تعمیر کروائی جانے والی مسجد کو مسجد عمر کہتے ہیں۔ مسلمان وہاں نماز پڑھنے لگے تو عیسائیوں کو دین پھیلنے کے خوف نے گھیر لیا۔ اور وہ دوبارہ سے مسجد کو اپنی تحویل میں لینے کے لیے کوشاں ہو گئے۔ 583 ہجری میں صلیبیوں نے مسجد پہ حملہ کر کے اسے مسلمانوں سے چھین لیا۔ صلیبیوں نے مسجد کے ایک حصے کو کلیسا بنا دیا جب کہ دوسرے حصے میں سے کچھ کو فوجیوں کی استراحت گاہ اور بقیہ حصے کو گودام بنا دیا۔

عیسائی سلطنت یروشلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی افواج کے درمیان مسجد اقصی کی بازیابی کے لیے جنگ حطین لڑی گئی۔ جس سے مسجد اقصی کی صلیبیوں کی تحویل کے چھ برس بعد 589 ہجری میں مرد مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی عیسائیوں کی سر کوبی کے لیے نکلنے کا جہاد رنگ لایا اور یورپ کی متحدہ اقوام کو عبرتناک شکست دے کر بیت اللہ کی بیٹی بیت المقدس کو عیسائیوں کے شکنجے سے آزاد کروالیا گیا۔ اسی باعث سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو فاتح بیت المقدس کیا جاتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ فرماتے تھے ”مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ قبلۂ اول کفار کے قبضے میں ہے اور میں ہنس رہا ہوں. “

سلطان صلاح الدین ایوبی کی فتح کے بعد عیسائی کنارے ہو گئے مگر یہودیوں نے چاہا' بیت المقدس پہ ہماری حکومت ہو کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہمارے دادا تھے۔ (حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل بھی تھا۔ اس لیے ان کی تمام اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ بیت المقدس پر قبضے کی غرض سے یہودیوں نے ارد گرد کی زمینوں پر بسیرا کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ موقع ملتے ہی بیت المقدس پر قبضہ جمایا جائے۔ بیت المقدس کے ارد گرد کی زمینیں ترکی کی تھیں چناں چہ ترکی سے کہا کہ آس پاس کی زمینیں ہمیں دے دو۔ ترکی نے منع کیا تو خلافت عثمانیہ ختم کروادی۔ اسرائیل نے برطانیہ سے ساز باز کر کے بالآخر سنہ 1948 میں فلسطین پر قبضہ کیا اور مستقل حکومت بنالی۔ یہودیوں کی قید میں تہتر برس بیت گئے اور بیت المقدس آج تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی راہیں تک رہی ہے۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سے اسرائیلیوں نے فلسطین پر بہت مظالم ڈھائے۔ فلسطین کے مسلمان مسجد کی آزادی کے لیے اکیلے ہی یہودیوں کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہیں۔ فلسطینی ہی ہیں جو مسجد اقصی کی تاریخ اور فتح کا باب روشن رکھے ہوئے ہیں۔

سنہ 1969 میں ڈینس مایکل ولیم روہان نامی ایک شر پسند یہودی نے مسجد اقصی کو آگ لگا دی تھی، جس کے نتیجے میں مسجد کا کچھ حصہ نذر آتش ہو گیا اور اسی مناسبت سے 22 اگست کو بعض اسلامی ممالک نے عالمی یوم مسجد کا نام دیا۔

فلسطین کا شہر یروشلم تین حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ یہودیوں کے پاس ہے' دوسرا مسلمانوں کے پاس اور تیسرے مختصر حصے میں عیسائی مقیم ہیں۔ اسی طرح مسجد اقصی بھی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک پرانا حصہ دیوار گریہ کہلاتا ہے جو یہودیوں کے قبضے میں ہے اور دوسرا حصہ 'مسجد کا ہال مسلمانوں کے پاس ہے۔ چوں کہ یہودیوں کے پاس طاقت ہے' اس لیے وہ اکثر مسلمانوں والے حصے میں گھس آتے ہیں اور فائرنگ وغیرہ کرتے ہیں۔

تل ابیب اور یروشلم فلسطین کا شہر ہے۔ بیت المقدس پر قبضے کے لیے یروشلم کو اسرائیل نے مرکز بنایا ہے۔ فلسطین بے چارہ سمٹ کر غزہ کی پٹی اور ایک دو شہروں تک محدود ہو گیا ہے۔ اسرائیل نے فلسطین کے شہروں پر غاصبانہ قبضہ کر کے انہیں خود میں ضم کر رکھا ہے جبکہ یروشلم فلسطین کا شہر اور بیت المقدس فلسطین کا نہایت مقدس مقام ہے۔

ایک طرف تہتر سال سے ظلم کی تصویر بنے فلسطینی ہیں تو دوسری طرف ڈیڑھ ارب مسلمان خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ مسجد اقصی، فضیلتوں اور روشن تاریخ کے باوجود بھلائی جا رہی ہے۔ بچوں کو مسجد اقصی کے قبلہ اول اور انبیاء علیہ السلام کی سر زمین ہونے کے علاوہ کچھ معلوم ہی نہیں۔ ساری قوم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہی ہے۔ صلاح الدین جننے والی مائیں تو ڈرامے اور فلمیں دیکھنے میں مگن ہیں' کہاں سے آئے گا صلاح الدین ایوبی؟ کمزور ایمان اور گناہوں کی نحوست سے نوجوانوں میں جذبہ شہادت ہی ناپید ہو چکا ہے۔ اسرائیل کے ظلم و تشدد کی انتہا کے باعث فلسطین کے بہت سے شہری ایسے ہیں' جو عرصے سے مسجد اقصی میں نماز ادا نہیں کر سکے یا بیت المقدس کی زیارت نہیں کر سکے۔ بیت المقدس سے دور فلسطین سے باہر ایک نبی علیہ السلام کا مزار ہے جہاں سے قبۃ الصخرہ دکھائی دیتا ہے۔ بہت سے فلسطینی چٹان پر بنے سنہری گنبد 'قبۃ الصخرہ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرنے کو مزار پر تشریف لے جاتے ہیں۔ فلسطینیوں کو مسجد اقصی سے اس قدر عقیدت کہ صرف گنبد کے دیدار کی غرض سے دور تک جائیں' ڈھیروں ظلم سہیں اور ناکہ بندی کے باوجود کثیر تعداد میں مسجد اقصی کے ہال تک پہنچ کر نماز ادا کر آئیں لیکن ہمارے اندر کی غیرت اسلامی ہی نہ جاگے۔ تھوڑے سے یہودی اٹھے اور سازشوں کا جال بُن کر مسلمانوں پر غالب آ گئے اور حیرت ہے کہ ہمارے لہو میں جنبش تک نہ ہوئی۔ فلسطین میں بہتے لہو' اجڑتی ماؤں' سہاگ لٹاتی بیویوں' یتیم ہوتے بچے بچیوں' اور درد سے گزرتی ہر زندگی کو مسلم امت کے تمام نوجوانوں سے امید ہے کہ مسجد اقصی کی بازیابی کے لیے ہم ان کا ساتھ دیں گے' ان کے مختصر قافلے کا حصہ بن کر کارواں تشکیل دیں گے۔ جذبہ ایمانی' بہادری' شجاعت' غیرت و حمیت سے لڑتے ہوئے اقصی کی حریت کا نعرہ لگا کر مسجد اقصی کو بہت جلد آزاد کروالیں گے۔ ان شاء اللہ!

إنا لله وإنا إليه راجعون

یقین

تماضر ساجد

”سر! شاہد کہہ رہے ہیں کہ آج کیمسٹری کا سرپرائز ٹیسٹ ہو گا۔“ حمزہ نے کلاس میں آکر اونچی آواز سے کہا۔

”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن“ شرجبیل کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ حمزہ کی بات سن کر کیمسٹری کی کتاب اٹھاتا زبیر چونک اٹھا۔

”تم نے انا للہ کیوں پڑھا؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”مشکل کے وقت انا للہ پڑھتے ہیں نا!“ شرجبیل کتاب پر سر جھکائے ہوئے بولا۔

”کیوں بھئی، ایسی کون سی مشکل آپڑی ہے آپ پر، جو انا للہ پڑھ رہے ہیں؟“ کلاس میں داخل ہوتے سر جاوید شرجبیل کی بات سن چکے تھے۔ وہ کھسیا گیا۔ حمزہ نے کیمسٹری کے ٹیسٹ کا بتایا تو انھوں نے سر ہلایا۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے، مجھے پرنسپل صاحب نے بلایا ہے، وہاں شاید دیر ہو جائے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ کی کلاس کا کیا کروں۔۔۔ تو ایسا کرتے ہیں کہ آپ خاموشی سے ٹیسٹ تیار کر لیں اور میں آفس سے ہو آتا ہوں۔“

”اوہ... جیئیں سر جی!“ لڑکے خوشی سے چلّائے۔

”شور نہ کیجیے گا۔“ سر مسکراتے ہوئے کلاس سے نکل گئے اور شرجبیل معنی خیز انداز میں سر ہلاتا کتاب پر جھک گیا۔

***

”شرجبیل بیٹا! میری عینک تو پکڑا دو۔“ دادا جی کی آواز پر شرجبیل عینک کی طرف بڑھا ہی تھا کہ بجلی چلی گئی۔

”انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔“ دادا جی کے بلند آواز سے انّا للہ پڑھنے پر شرجبیل نے بھی انّا للہ پڑھ لی۔ اتنے میں کسی نے جنریٹر چلا دیا اور کمرہ دوبارہ روشن ہو گیا۔ اس سے عینک پکڑتے دادا جی مسکراتے ہوئے گویا ہوئے: ”دیکھی انّا للہ کی برکت۔“

”مگر دادا جی! یہ تو کسی کے فوت ہونے پر پڑھتے ہیں!“ دادا جی کی مسکراہٹ تیز ہو گئی۔

”بیٹا! تم سے کس نے کہا کہ یہ صرف کسی کے فوت ہونے پر پڑھتے ہیں؟ کسی بھی مصیبت پر یہ دعا پڑھ لی جائے تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نکلنے میں مدد کرتے ہیں۔“ دادا جی کی بات اس نے پلّے سے باندھ لی اور آنے والے دنوں میں اس دعا پر اس کا یقین مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ کتنے ہی نقصانات سے وہ اس دعا کی برکت سے محفوظ رہا تھا۔

***

”رکشہ آگیا ہے شرجبیل! جلدی آجاؤ۔“ بڑے بھائی کی آواز سنتے ہی شرجبیل اپنا بستہ سنبھالتا رکشے میں آبیٹھا۔ یونیفارم پر پروکٹر کی پٹی سیٹ کرنے کے لیے اس نے ہاتھ میں کامن پن پکڑ رکھی تھی۔ رکشہ چلا تو پن ہاتھ سے گر گئی۔ انّا للہ تو اس نے پڑھ لی، لیکن ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا کہ ننھی سی پن کہیں راستے میں گر گئی ہو گی، بھلا اب کہاں ملے گی؟ رکشہ اسکول کے گیٹ کے سامنے رکا تو وہ اپنا بستہ اٹھانے کے لیے جھکا۔ تبھی اس کی نظر اپنے شوز کے پاس چمکتی کامن پن پر پڑی۔ انّا للہ کی برکت سے کامن پن جیسی معمولی چیز بھی صحیح سلامت اسے واپس مل چکی تھی۔

***

”پنسل دینا شرجبیل!“ پرکار ہاتھ میں پکڑے زبیر نے اسے آواز دی۔ وہ جیومیٹری کا ایک زاویہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس لیے خاموشی سے پینسل اسے دے دی۔ اگلے پیریڈ کی گھنٹی بجتے ہی زبیر نے اسے پینسل واپس پکڑائی۔ وہ ابھی پینسل صحیح طرح پکڑ بھی نہیں سکا تھا کہ سر کلاس میں داخل ہوئے۔ عجلت میں کتاب اٹھاتے ہوئے پینسل گر گئی۔ وہ انّا للہ پڑھتا ہوا کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سر واپس گئے تو اس نے پینسل ڈھونڈی مگر وہ نہ ملی۔ اگلے دن اتوار تھا۔ پیر کے دن تک وہ پینسل کی گمشدگی بھول چکا تھا۔ پیر کی صبح وہ کلاس میں داخل ہوا تو اس کی نظر ڈیسکوں کے درمیان گری پینسل پر پڑی۔ کلاس کی صفائی کرتے ہوئے صفائی والے انکل ایسی چھوٹی موٹی چیزیں کوڑے میں ڈال دیتے تھے۔ پھر یہ چھوٹی سی پینسل معلوم نہیں کیسے ان کے جھاڑو سے بچ سکی تھی؟

”بھائی انّا للہ کی برکت تھی، اس کے ساتھ!“ پینسل ہاتھ میں پکڑے وہ بڑبڑایا۔

***

”زبیر میری کیمسٹری کی کتاب نہیں مل رہی۔“ شرجبیل نے کتاب ڈھونڈتے ہوئے زبیر سے کہا۔

”تم نے تو آج کتاب بستے سے نکالی ہی نہیں، کہیں گھر میں نہ رہ گئی ہو۔“ زبیر بولا۔

”نہیں، گھر میں مجھے نہیں ملی تھی تو میں نے سوچا کہ اسکول میں رہ گئی ہو گی۔“

”صفائی والے انکل سے پوچھو، شاید انھیں ملی ہو۔“ حمزہ نے مشورہ دیا۔

بریک ہوتے ہی شرجبیل زبیر کے ساتھ صفائی والے انکل کے پاس گیا۔ ان سے پوچھا تو انھوں نے میز پر رکھی کتابوں کی طرف اشارہ کر دیا۔

”ان میں دیکھ لو بیٹا!“ یہ سب وہ کتابیں تھیں جو صفائی کے دوران میں انھیں مختلف کلاسوں سے ملی تھیں۔ اس نے سب کتابیں دیکھیں، مگر اس کی کتاب نہ ملی۔

”بیٹا! مجھے جتنی کتابیں ملتی ہیں، یہیں لاکر رکھ دیتا ہوں، بچے آکر لے لیتے ہیں۔“ اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے انکل نے کہا۔

”کوئی بات نہیں انکل۔“ وہ واپس کلاس میں آگیا۔

پھر اسے لائبریری کا خیال آیا۔ اکثر اوقات وہ خالی پیریڈ میں کوئی کتاب لے کر سبق یاد کرنے لائبریری چلا جاتا تھا۔

لائبریری میں بھی اس کی کتاب نہ ملی، نگران سے بھی پوچھا، مگر بے سود!

"لگتا ہے، آج انّا للہ پڑھنا بھول گئے ہو۔“ زبیر ہنستے ہوئے بولا۔

”نہیں! انّا للہ تو میں کافی دیر سے پڑھ رہا ہوں۔“ پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس نے کتاب پر اپنا نام بھی نہیں لکھا تھا۔ اب لاپروائی کا احساس ہو رہا تھا۔

دو دن گزر گئے۔ اس کا پریشانی سے برا حال تھا۔ اس نے گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا کہ ڈانٹ پڑے گی۔ آخر کار اکیڈمی والے سر نے اسے ایک پرانی کتاب دے دی۔

”اس پر اپنا نام لکھ لینا۔“

اس نے کتاب تو لے لی، مگر اس پر نام نہ لکھا۔ سال کا اختتام تھا۔ سارا سال کتاب پر نوٹس لیے تھے۔ اتنی محنت کے ضایع جانے کا یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

اُس دن وہ سر جھکائے بیٹھا تھا کہ سر شاہد کلاس میں داخل ہوئے۔ اسی اثنا میں زبیر نے اس کا کندھا ہلایا۔ ”شرجبیل! تمھاری کتاب۔“

”کہاں ہے؟“ وہ چونکا۔

”سر کے پاس۔“ باقی سارا پیریڈ اس کی نظریں سر کے ہاتھ میں پکڑی اپنی کتاب پر ہی رہیں۔ سبق مکمل ہوتے ہی وہ تیزی سے ان کی طرف لپکا۔

”سر جی! یہ کتاب آپ کو کہاں سے ملی؟ یہ میری کتاب ہے۔“ سر مسکرا دیے۔

”جی بیٹا! کافی دن سے یہ لائبریری کے باہر ریک میں رکھی تھی۔ میں لے آیا کہ آپ کی کلاس میں سے ہی کسی کی ہو گی۔“ کتاب لیے وہ سرشار واپس لوٹا۔ سب دوست حیران تھے۔ شرجبیل کے ساتھ ساتھ ان کا بھی انّا للہ کی برکت پر یقین پکا ہو چکا تھا۔

Brady's

The nourishing taste of Scott Baking

Plain Cake

Brady's
Plain Cake
Delicious & Delightful
Brady's
Plain Cake
OUR PROMISE
Brady's
DELICIOUS FOOD EXPERIENCE EVERY TIME

Delicious & Delightful

ٹِنکو بونا

محمد احمد رضا انصاری

انسانی آبادی سے بہت دور شمال کی جانب ایک ہرا بھرا جنگل تھا۔ جنگل کا نام تھا سبز نگر۔ وہاں بہت سارے چھوٹے چھوٹے جانور اپنی اپنی زندگیاں گزار رہے تھے۔ سبز نگر میں رہنے والے سب چرند و پرند یوں تو پرامن طریقے سے جنگل میں رہائش پذیر تھے لیکن ان سب میں ایک بہت برائی بھی تھی۔ اور اسی برائی کی وجہ سے دھیرے دھیرے سبز نگر ارد گرد دوسرے جنگلوں میں بدنام ہوتا جا رہا تھا لیکن سبز نگر کے باسیوں کو اس بات کی رتی بھر پروا نہ تھی۔۔۔ وہ اپنے ناپسندیدہ مشغلے سے پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہ تھے۔ وہاں کے جانوروں اور پرندوں میں کون سی خامی موجود تھی یہ جاننے کے لیے پہلے یہ مناظر دیکھیے۔

یہ لالی چڑیا کا گھر ہے۔ جسے لالی نے بہت خوبصورتی و نفاست سے سجا رکھا ہے۔ اس کے تین پیارے بچے ہیں۔ لالی کا شوہر لالو جنگل میں چاولوں کا بڑا بیوپاری ہے۔ ایک روز بی فاختہ جو کئی روز سے بیمار تھی اور حکیم الو نے اسے کھچڑی کھانے کا مشورہ دیا تھا' وہ لالو کے پاس سہج سہج چلتی پہنچی۔ بے چاری کا تیز چلنا محال تھا۔ نظر بھی کچھ کمزور ہو گئی تھی۔ راستے میں اسے کئی بار ٹھوکریں بھی کھانا پڑی تھیں۔ اس نے پرندوں و جانوروں کے بچوں سے درخواست کی تھی کہ اسے بازار میں واقع لالو کی دکان پہ چھوڑ آئیں۔ لیکن کسی بچے نے اس کی عرصہ پر دھیان نہ دیا۔ وہ بدستور کھیلنے کودنے میں لگے رہے یا بی فاختہ کی آواز سنتے ہی اس جگہ سے نو دو گیارہ ہو گئے۔ خیر بی فاختہ جیسے تیسے لالو کی دکان پر چلی آئی۔ اس نے تھوڑے سے چاول مانگے اور لالو سے لجاجت بھرے انداز میں بولی:

”بیٹا۔ میں بیمار ہوں۔۔ کام کاج کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ابھی پیسے نہیں۔ تم ادھار چاول دے دو۔۔ جوں ہی صحت درست ہوئی تمہارا قرض چکا دوں گی۔“ لالو اس کی بات سنتے ہی غصے سے لال ہو گیا۔ ”او بی۔ دماغ تو ٹھکانے ہے۔۔ ادھار بالکل بند ہے۔۔ خصوصاً اس جنگل کے لوگوں کے لیے۔ جاؤ اپنا راستہ ناپو۔ آئی بڑی ادھار چاول لینے والی۔۔ ہونہہ“ لالو کی بدتمیزی پر مارے ذلت کے بی فاختہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ سر جھکائے واپس اپنے گھر لوٹ آئی۔۔۔

* لالو کی دکان پر ایک ہدہد اترتا ہے۔ وہ ساتھ والے جنگل کا رہنے والا تھا۔ اس نے سودوں کی پرچی لالو کو دی اور سامان لینے کے بعد بولا: ”لالو بھائی! پیسے ادھار کھاتے میں لکھ لو چند روز بعد پہنچا دوں گا۔۔“ ”ارے جناب! جب آسانی ہو بھیج دیجیے گا۔۔۔“ لالو نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔ ہدہد نے سلام کیا اور سامان کا تھیلا اپنی لمبی چونچ میں دبا کر پھُر سے اڑ گیا۔۔۔ آپ کو کچھ کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا سبز نگر کے باسیوں میں کون سی برائی تھی۔۔۔ جی ہاں۔۔ آپ خوب سمجھے۔۔۔ یہاں اپنے لوگوں سے زیادہ دوسرے لوگوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔۔۔ آس پڑوس میں بے شک کوئی کتنی ہی بڑی مصیبت میں مبتلا رہے لیکن کوئی مدد کو نہ آتا۔۔ لیکن اگر قریب کے دوسرے جنگل میں ایسا واقعہ ہو جائے تو سب سر پہ پیر رکھ کر ادھر بھاگے جاتے۔ اپنوں کی پروا نہیں لیکن غیروں کا غم دل چیر دیتا۔۔۔ تو کچھ ایسے تھے سبز نگر کے رہنے والے۔۔۔

***

ایک روز ایک مسافر بونا جنگل کے پاس سے گزرا۔۔ یہ ٹنکو تھا۔۔ ایک سیاح بونا جو نگر نگر کی سیر کرتا ادھر نکلا تھا۔۔۔ جانوروں نے اسے سبز نگر میں خوش آمدید کہا اور خوب مہمان نوازی کی۔۔ ٹنکو ان کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے سوچا باقی زندگی اس حسین جگہ ہی بتائی جائے۔ جنگل کے جانور اس کا فیصلہ سن کر بہت خوش ہوئے۔۔۔ ٹنکو نے برگد کے پیڑ تلے اپنا چھوٹا سا لکڑی کا کاٹیج بنا لیا اور وہاں رہنے لگا۔۔۔ اب روز رات کو ٹنکو کے گھر میں سب جانوروں کی محفل جمتی اور ٹنکو انہیں اپنی زندگی کے رنگا رنگ قصے سناتا۔۔۔ جانور و پرندے اس کی دل چسپ کہانیاں شوق سے سنتے اور سر دھنتے.. چوں کہ سب جانور ٹنکو سے محبت سے پیش آتے اس لیے بیزو بندر ٹنکو سے حسد کرنے لگا۔۔ ٹنکو کے آنے سے قبل جانور اس کے کرتبوں سے محظوظ ہوتے تھے اور بیزو کو کیلے اور دیگر تحائف بھی مل جاتے تھے لیکن جب سے ٹنکو سبز نگر میں آیا تھا بیزو کی شہرت کم ہو گئی تھی۔۔۔ بیزو کو یہ بات بہت ناگوار محسوس ہوئی تھی۔ اس نے باتوں باتوں میں کئی بار جتا دیا کہ ٹنکو اجنبی ہے۔ اس پر اتنی جلدی بھروسا کرنا درست نہیں۔ لیکن کسی نے اس کی بات پر توجہ نہ دی تھی۔۔۔ وہاں تو یہ روایت شروع سے عام تھی کہ باہر والوں کو سر آنکھوں پہ بٹھاؤ اور اپنوں کو دھتکارو۔۔۔ ایک صبح بیزو بندر حسب معمول آم کے پیڑ پر بیٹھا جھولے جھول رہا تھا۔ دُم کے سہارے وہ کبھی ادھر ڈولتا کبھی ادھر۔۔۔ اچانک اس کی دم پر چینی چیونٹی نے زور سے کاٹا۔۔ بیزو کی وجہ سے اس کے منہ سے جّو کا دانہ نکل کر نیچے زمین پر گر پڑا تھا۔ وہ بہت مشکلات اور خاصی محنت کے بعد اس مقام تک اپنی خوراک لانے میں کامیاب ہوئی تھی لیکن اس بندر کے بچے کی وجہ سے دانہ دوبارہ کئی فٹ نیچے زمین پر جا گرا۔۔۔ لہٰذا اپنے غصے کا اظہار اس نے بیزو کو کاٹ کر کیا تھا۔۔ بیزو زور سے چیخا۔۔ اس کی دم پیڑ کی شاخ سے چھٹی اور بیزو اوندھے منہ زمین پر آ گرا۔۔۔ اسے سخت چوٹیں آئیں۔۔ تکلیف کے مارے وہ سسکنے لگا۔۔ حسب معمول آس پاس موجود

بقیہ صفحہ 32 پر

بجلی کی کڑک

اہلیہ محمد فیصل

برسات کا موسم تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ خالد اپنی دادی اماں کے ساتھ گرم کمرے میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک بجلی کی کڑک سے دھماکے کا گمان ہوا۔ خالد دبک کر دادی جان کی گود میں جا پہنچا اور پھر کڑک کے فوراً بعد آسمان پر بجلی کی لکیریں چمکیں۔ خالد پریشان نگاہوں سے دادی اماں کی جانب دیکھنے لگا۔

”مت ڈرو میرے پیارے خالد!“ دادی اماں نے خالد کو پچکارا۔ ”دراصل یہ دھماکا نما آواز بجلی کی کڑک کی آواز تھی اور یہ آسمان پر بننے والی لکیریں بجلی کی چمک تھیں۔“

”دادی اماں یہ دونوں ڈراؤنی چیزیں کیا ہیں؟“ خالد نے پوچھا۔

دادی امّاں بولیں: ”اللہ تعالی ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین میں اور ہر چیز اللہ تعالی کی تسبیح اور حمد بیان کرتی ہے۔“

”کیا یہ اتنی ڈراؤنی چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں؟“ خالد نے حیرت سے کہا۔

”بالکل“ دادی اماں نے جواب دیتے ہوئے مزید کہا: ”اللہ تعالی نے خود قرآن کریم میں فرمایا: ”یہ کوئی بھی چیز نہیں مگر وہ اللہ کی حمد کر رہی ہے، لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔“ دادی نے قرآنی دلیل دی۔ (بنی اسرائیل)

یعنی ہر چیز کائنات میں میں اللہ کی تسبیح اپنے اپنے طریقے سے کر رہی ہے لیکن تم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔

”اور پیارے خالد؟ کیا تم جانتے ہو کہ قرآن پاک کی ایک سورت کا نام ہی ”سورۃ الرعد“ ہے۔ یعنی ”بجلی کی کڑک“۔

”اور اللہ تعالی نے اس سورہ میں بجلی کی تسبیح بیان کرنا بتایا ہے۔“

خالد دادی ماں کی بات سن کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کر بولا۔

”اچھا!!! دادی اماں یہ بجلی کی کڑک اللہ کی تسبیح کیسے بیان کرتی ہے؟“

”جی بیٹا!“ دادی اماں مسکرا کر بولیں۔

اللہ پاک سورہ الرعد کی آیت نمبر 13 میں خود اس تسبیح کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

”اور وہ بجلی کی چمک اللہ کی حمد بیان کرتی ہے، اور فرشتے بھی اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس کے خوف سے، اور اللہ پاک بجلیوں کو بھیجتا ہے پس جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے سے اسے نقصان پہنچا دیتا ہے اور اس حال میں کہ (جن کو نقصان پہنچایا ہے) وہ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ شدید پکڑ کرنے والا ہے۔“ (الرعد 13)

خالد یہ سب سنتے ہوئے دادی اماں کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ پھر خالد نے دادی اماں کے لب ہلتے ہوئے دیکھے تو پوچھا: ”آپ کیا پڑھ رہی ہیں دادی ماں؟“

”بیٹا! میں اللہ کا ذکر کر رہی ہوں، اس لیے کہ اللہ کا ذکر دلوں کو اطمینان بخشتا ہے۔“

اسی لیے اللہ پاک نے سورہ الرعد میں فرمایا ہے:

ترجمہ: ”وہ لوگ جو ایمان لائے، ان کا دل مطمئن ہوتا ہے، اللہ کے ذکر سے، جان لو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔“ (الرعد 28)

”اچھا تو ابھی آپ اللہ کا ذکر کس طریقے سے کر رہی تھیں؟“ خالد نے پھر سوال پوچھا۔

”بیٹا! بجلی کی کڑک کی آواز اللہ کی عظمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے اور جب بجلی کی کڑک کی آواز سنیں تو یہ پڑھنا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔“

”سُبحَانَ الَّذِی یُسَبِّحُ الرَّعدُ بِحَمدِہٖ وَالمَلٰئِکَۃُ مِن خِیفَۃ“ (بخاری)

”پاک ہے وہ ذات کہ بجلی جس کی تسبیح بیان کرتی ہے، اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اس کے خوف سے۔“

خالد نے یہ دعا جلدی سے یاد کر لی اور دادی اماں کو سنا دی۔ اس طرح اس کے دل سے خوف ختم ہو گیا اور اس کے دل میں اطمینان آ گیا۔ پھر اس نے آئندہ بجلی کی کڑک سن کر یہ تسبیح پڑھنے کا عزم بھی کر لیا۔

دادی اماں نے خالد کے سر پر پیار کیا، اس کے بعد خالد میٹھی نیند سو گیا۔

بقیہ

ٹِنکو بونا

کوئی جانور اس کی مدد کو نہ آیا۔۔ سب نے دور دور سے اسے گرے دیکھا اور اپنے اپنے راستے بڑھ گئے تھے۔۔ اسی اثناء میں ٹنکو وہاں سے گزرا۔۔ اس کی نظر زخمی بیزو پر پڑی تو اس نے بیزو کو اٹھایا اور اسے اپنے گھر لے آیا۔۔ وہاں اس نے بیزو کا علاج معالجہ کیا اور خوب خدمت کی۔ اسے گرم دودھ شہد ملا کر پلایا۔۔ خستہ بسکٹ کھانے کو دیے جو بقول ٹنکو کے اس نے خود بنائے تھے۔ ٹنکو نے بیزو کو ایک رات اپنے پاس ہی ٹھہرایا اور اگلی صبح اسے اس کے گھر پہنچا آیا۔ ٹنکو کے حسن سلوک سے بیزو کے دل میں ٹنکو کے خلاف بھری ساری نفرت یکایک ختم ہو گئی تھی۔۔۔ اس نے ٹنکو کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھر داخل ہو گیا۔۔ اس دن کے بعد سے بیزو نے پھر کسی جانور یا پرندے کے سامنے ٹنکو کی برائی نہ کی تھی۔۔۔ وہ ابھی اب روز رات کو ٹنکو کے گھر جانے لگا تھا۔۔۔ ٹنکو کی باتیں سن کر اب بیزو کو خوشی ہوتی اور وہ تالیاں بجا کر ٹنکو کو داد دیتا۔۔۔ ایک ماہ گزرا۔۔۔ آدھی رات کو بیزو کی آنکھ اچانک کھلی۔ اس کا گھر ایک اونچے درخت پر تھا۔ کھڑکی سے اس کی نظر باہر گئی۔۔ جنگل کے داخلی راستے پر کوئی جاتا نظر آیا۔ وہ ایک بڑے خرگوش جیسا تھا جو اپنے پچھلے پیروں پر مٹک مٹک کر چل رہا تھا۔۔ اس نے کاندھے پر کچھ اٹھایا ہوا بھی تھا۔۔ بیزو نیند میں دھت تھا۔۔ وہ اسے پہچان نہ سکا اور دوبارہ سو گیا۔ اگلی صبح سبز نگر کے سب جانور رو دھو رہے تھے۔ ہر جانب صف ماتم بچھا تھا۔ ٹنکو بونا کئی لوگوں کی قیمتی چیزیں چرا کر رات کے اندھیرے میں بھاگ چکا تھا۔ اس کا کاٹیج خالی پڑا تھا اور ایک دیوار پر بڑا بڑا سا لکھا تھا کہ ”وہ اب ہمیشہ کے لیے جا رہا ہے کیوں کہ یہاں کے لوگ اپنوں کے ساتھ اچھا رویہ نہیں رکھتے اور جو زیادہ کھٹور دل کے مالک ہیں ان کی قیمتی چیزیں وہ اپنے ساتھ کے جا رہا ہے کیوں کہ ان چیزوں سے جنگل والوں کا تو کوئی بھلا ہونے سے رہا؟“ چنّو چیل صدمے سے بے ہوش تھی۔۔ اس کے گھر سے کئی زیورات اور ہیرے جواہرات غائب تھے جو اس نے دور دراز علاقوں سے اٹھائے تھے۔۔۔ چنو کا میاں اسے ہوش میں لانے کی پوری کوششیں کر رہا تھا۔۔ ادھر لالو کی دکان سے ایک موٹی رقم غائب تھی۔۔ اور بھی دوسرے لوگوں کے گھروں سے بیش قیمت چیزیں گم تھیں۔۔۔ بیزو آنکھیں ملتا اپنے گھر سے نکلا تو سب جانوروں نے شرمندگی سے اسے دیکھا۔۔۔ انہوں نے اپنوں پر غیر کو ترجیح دی تھی اور آج خسارہ ان کا مقدر بن گیا تھا۔۔۔ اس دن کے بعد سے سبز نگر میں گویا کایا پلٹ گئی۔۔۔ دوسروں کی مدد وہ اب بھی کرتے ہیں لیکن پہلے اپنے جنگل کے لوگوں کا خیال اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے بعد۔۔۔ ٹنکو کا دیا سبق اب انہیں شاید ہی کبھی بھولے۔۔۔ آپ کیا کہتے ہیں۔۔؟

بی موٹر

ایمن بخاری

"اُفففف یہ نکمّے لوگ ہر وقت پڑے بستر توڑتے رہتے ہیں، صفائی کا کوئی خیال ہی نہیں۔ میرا تو دل خراب ہونے لگ گیا ہے، اپنی حالت دیکھ دیکھ کر۔ پتا نہیں کب ان لوگوں کی نظر مجھ پر پڑے گی اور مجھ غریب کی صفائی کی جائے گی۔" موٹر کی پچھلی طرف کا فرش جو کم ہی نظر میں آتا تھا۔ اپنے اوپر مہینوں سے گندا پانی کھڑے رہنے کی وجہ سے اُکتاہٹ و بے زای سے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ادھر فرش کی بات سن کر موٹر کا دل دہلا۔

"تمہاری وجہ سے مجھے اپنا خطرہ لاحق ہو گیا ہے، کہیں تمہارا گندا پانی زیادہ دیر رہنے سے بدبُو دار بن گیا تو، تمہاری طرف توجہ دینے کی بجائے میری ٹھکائی کر دی جائے گی۔ ایسے میں مَیں صحیح ہونے کے باوجود کباڑ خانے میں جا گروں گی۔"

"موٹر نے آنے والے وقت کے پیشِ نظر پیشین گوئی کی تو فرش میاں بھی اپنی غلطی نہ ہونے کے باوجود سر جھکا گئے کہ کہہ تو موٹر سچ رہی تھی، مگر اس میں فرش میاں کا بھی بھلا کیا قصور تھا؟"

اس بات کو چار پانچ دن گزر چکے تھے۔ جب دادی محترمہ کا ادھر سے گزر ہوا تو اُن کی سونگھنے والی حس نے اُن کو چونکا دیا۔ وہ حیران ہو کر رہ گئیں کہ ہو نا ہو یہ موٹر جلنے کی ہی بُو آ رہی ہے۔ دادی اماں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور وہ شور مچایا کہ سب نے باہر کو دوڑ لگا دی۔ "کیا ہوا اماں؟ کیوں صبح صبح پورے محلے کو جگانے کا ارادہ کر لیا آپ نے؟"

حاشر صاحب نے بڑی مشکل سے اپنی پوری آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ نیند سے اٹھ کر آنے کی وجہ سے اُن کو ٹھیک سے کچھ دکھائی بھی نہیں تھا دے رہا۔ یہ اماں بی کے سب سے چھوٹے لاڈلے اور بگڑے ہوئے بیٹے تھے۔ یہ سب اماں کے پیار کا ہی نتیجہ تھا۔

"ناہنجارو کچھ خبر بھی ہے تم لوگوں کو کہ نہیں؟" دادی اماں نے چشمے کے اوپر سے گھورتے ہوئے جھاڑ پلائی۔

"اوہ ہو! اماں اب بتا بھی دیں ہوا کیا ہے؟" منجھلی بہو نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا، جسے اس فضول کے ڈرامے سے کوفت محسوس ہو رہی تھی۔

"ہونا کیا ہے۔ تم سب لوگوں کی لاپروائی کی بدولت سال بھر پہلے لگائی موٹر کا ناس مارا گیا ہے۔" دادی نے ہاتھ سے عینک ناک پر ٹکا کر سب کے سروں پر بم پھوڑا۔

"ہائیں موٹر کا ناس؟ وہ کیا ہوتا دادو؟ وہ مر گیا ہے اب؟ تو زندہ کیسے ہو گا؟"

ننھے علی نے اپنی عقل کے مطابق سوال کیا تو سب کے ہونٹوں پر دبی دبی ہنسی اپنی چھب دکھلانے لگی۔ تو دادی کی چہیتی پوتی علیشہ فوراً بولی: "ارے بھالو! ناس مارا گیا کا مطلب ہوتا ہے "چیز خراب ہو گئی ہے" دادو کے کہنے کا مطلب تھا کہ ہماری موٹر خراب ہو گئی ہے۔" علیشہ نے علی کو اُس کی عقل کے مطابق جواب دے کر مطمئن کیا۔

"اوہ ہو تو اب پھر پانی کدھر سے آئے گا۔" علی کو نئی فکر نے گھیرا۔ تب دادی نے کہا۔ اس بات کی ٹینشن تمہارے باپ اور چچاؤں کو ہونی چاہیے۔ جن کے چہرے پھر سے نئی موٹر لانے کا سوچ کر ہی اُترے ہوئے تھے۔

آخر کار خلیل صاحب نے ہی حل پیش کیا جس سے سب متفق نظر آئے۔

"موٹر مکینک کو بلا کر چیک کروا لیتے ہیں۔ اگر ٹھیک ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ نئی موٹر منگوانے کے لیے پیسے تیار رکھیے گا سب۔"

موٹر مکینک نے موٹر چلا کر دیکھی تو اس میں بس تیل کی کمی محسوس ہوئی جس کی وجہ سے اس کی آواز بدلی ہوئی لگ رہی تھی، مگر اس کے پیچھے موجود گندے پانی نے ضرور ناک پر ہاتھ رکھنے پر مجبور کر دیا۔ تب مکینک نے موٹر ہٹا کر سائڈ پر رکھی اور دادی اماں سمیت سب عورتوں کو بھی بلا کر اُن کی کم عقلی کا مظاہرہ دکھایا، ساتھ مردوں کو بھی بتایا کہ "موٹر کو تیل نہ لگانے کی وجہ سے اس کی آواز تبدیل ہو گئی ہے اور اِس پر گرتے پانی کے چھینٹے اسے زنگ آلود کرنے کا باعث بنے ہیں۔"

مکینک کی بات سن کر سب شرمندہ ہو گئے۔ تب مکینک نے مزید کہا "اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو آپ لوگوں کی نااہلی کی بنا پر موٹر اُتار کر لے جاتا آپ کا ہی نقصان ہونا تھا۔ لہٰذا اپنی غلطی کو سدھارنے کی کوشش کریں اور صفائی کا خاص خیال رکھیں۔"

یہ بات اُس نے عورتوں کو سمجھائی اور تیل لے کر موٹر کے اوزار جو سوکھے ہوئے اور زنگ آلود ہوئے تھے اُن پر لگائے تو سب عورتوں نے مل کر سرف ملے پانی سے گندی جگہ صاف کی، اتنے میں موٹر کا کام بھی ہو گیا۔ مکینک نے موٹر سیٹ کی اور اپنی فیس لے کر چلا گیا۔

فرش میاں پر جب صاف پانی کی برسات ہوئی تو وہ پھولے نہ سمائے۔ خوش ہو کر بولے "شکر ہے میری جان چھوٹی اُس گندے پانی سے۔"

موٹر کھلکھلائی اور بولی "مت بھولو فرش میاں جس کو تم بار بار گندا بول رہے ہو اُسی کے صاف بھائی نے ہی تمہیں اور مجھے بچایا۔ بھلا ہو اُس مکینک کا جو اپنا کام ایمانداری سے کر کے گیا۔ نہیں تو ایسے لوگ اب کہاں ہوتے ہیں۔" فرش میاں نے بھی تائید میں سر ہلایا۔

اور یوں موٹر بخوشی اپنے کام میں مصروف ہو گئی اور فرش میاں سکون سے سو گئے۔

کینگرو

فوزیہ خلیل

مصعب، خزیمہ اور عکاشہ آج بہت خوش تھے۔ اُن کے تایا جان آسٹریلیا سے آئے تھے۔ وہ بچوں کے لیے بہت ساری کتابیں اور کھلونے لائے تھے۔ ”تایا جان! آپ کے تحائف کا بہت بہت شکریہ۔“ مصعب کہہ رہا تھا۔ ”تایا جان! آپ کو آسٹریلیا میں کیا چیز سب سے زیادہ پسند آئی؟“ خزیمہ نے پوچھا۔

”بہت ساری چیزیں۔“ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”نہیں تایا جان۔ بہت ساری نہیں کسی ایک کا نام بتائیے۔“

”کینگرو، مجھے کینگرو بہت اچھا لگا۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ”ہاں کینگرو تو آسٹریلیا کا قومی جانور ہے۔“

”تایا جان! آسٹریلیا والوں نے کینگرو کو ہی کیوں اپنا قومی جانور بنایا۔ کسی اور جانور کو کیوں نہیں؟“ عکاشہ نے پوچھا۔ ”اس کا انتخاب اس لیے ہوا کہ یہ جانور ہمیشہ آگے چلتا ہے، پیچھے نہیں چل سکتا۔ کینگرو کی پچھلی ٹانگیں مضبوط، طاقتور اور لمبی ہوتی ہیں انہی کے ذریعے یہ اچھل اچھل کر چلتا ہے۔ اس کے پاؤں بھی چوڑے ہوتے ہیں۔“ تایا جان نے تفصیل سے بتایا۔ ”تایا جان! کینگرو کا نام اتنا عجیب سا کیوں ہے؟“ عکاشہ نے پوچھا۔

”اس کا جواب میں بتاتا ہوں۔“ خزیمہ نے جلدی سے کہا۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ یہ ایک برطانوی لیفٹیننٹ جیمس کک نے آسٹریلیا کے دورے کے دوران ایک جانور کو دیکھا جو دو ٹانگوں پر تیزی سے بھاگ رہا تھا، اس کے جسم میں ایک تھیلی بھی تھی جس میں سے ایک منا سا بچہ جھانک رہا تھا۔ جیمس اس جانور کو دیکھ کر بہت حیران ہوا، اُس نے ایک مقامی آدمی سے اس جانور کا نام پوچھا تو اس نے کہا: ”کینگرو۔“ جیمس کک نے اس جانور کا نام ”کینگرو“ اپنی ڈائری میں لکھ لیا۔ درحقیقت وہ مقامی آدمی انگریزی نہیں جانتا تھا وہ جیمس کُک کی زبان نہیں سمجھا۔ اس لیے اُس نے جواب میں ”کینگرو“ کہا۔ کینگرو کا مطلب ہے میں نے آپ کی بات نہیں سمجھی۔ ”اب ساری دنیا میں اس کو کینگرو کے نام ہی سے جانا جاتا ہے۔“ خزیمہ واقعہ سنا کر خاموش ہو گیا۔

”تایا جان! کیا کینگرو صرف آسٹریلیا میں ہوتا ہے۔“ عکاشہ نے پوچھا۔ ”بیٹا کینگرو سب سے زیادہ براعظم آسٹریلیا ہی میں ملتے ہیں، کچھ اور جگہوں پر بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کی پچاس سے زائد اقسام ہیں ان میں چار اقسام کے کینگرو تو بہت بڑے ہوتے ہیں جب کہ باقی چھوٹے ہوتے ہیں کچھ تو شجری کینگرو ہیں کچھ چوہا کینگرو کہلاتے ہیں۔“ اوہ! اتنے چھوٹے کینگرو۔ ان کے پیٹ میں ایک تھیلی ہوتی ہے نا؟ جس میں ننھا منا کینگرو پرورش پاتا ہے؟ اور کیا صرف کینگرو ہی ایسے جانور ہیں جن کے پیٹ پر تھیلی ہوتی ہے؟“ عکاشہ نے پوچھا ”نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ کافی سارے جانور ہیں، جن کے پیٹ پر تھیلی ہوتی ہے۔ کوالا اور اپوسم زیادہ مشہور ہیں۔“

”تایا جان! کینگرو کیا کھاتا ہے؟“ عکاشہ نے دریافت کیا۔ ”یہ گھاس، جڑیں، پتے اور کونپلیں کھاتے ہیں۔ یہ گائے کی طرح جگالی کرتے ہیں۔ عموماً صبح سویرے یا رات کو کھانے پینے نکلتے ہیں۔“

”تایا جان! میں نے سنا ہے کینگرو عموماً ایسے علاقوں میں رہتے ہیں، جو بنجر، ویران اور خشک ہو۔ ظاہر ہے ایسے علاقوں میں پانی بھی کم ہوتا ہے، پھر یہ کیا کرتے ہوں گے؟“ خزیمہ کے لہجے میں تشویش تھی۔ ”ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ یہ ویران اور خشک علاقوں میں بستے ہیں، ظاہر ہے وہاں پانی کی تنگی ہوتی ہے مگر قدرت نے ان کو یہ خصوصیت دی ہے کہ انہیں پیاس کم ہی لگتی ہے۔“ تایا جان بولے۔ ”اور زیادہ پیاس لگے تو؟“ خزیمہ نے بے صبری سے پوچھا۔

”اگر زیادہ پیاس لگے تو کینگروز کی بعض قسمیں گڑھے کھود لیتی ہیں۔ گڑھے کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔“

”یہ سب اکٹھے رہتے ہیں کیا؟“ عکاشہ کے پوچھنے پر تایا جان نے بتایا: ”ہاں یہ گروہ بنا کر رہتے ہیں۔ ایک گروہ میں عموماً 10 سے 50 تک کینگرو ہوتے ہیں ان میں نر اور مادہ سب شامل ہیں۔ سب سے بڑا اور طاقتور نر اس گروہ کا سردار ہوتا ہے۔ یہ سب ہی مل جل کر گھومتے پھرتے ہیں اور غذا بھی اسی طرح تلاش کرتے ہیں۔“

”اُن کی کتنی عمر ہوتی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ یہ کتنا عرصہ جیتے ہیں؟“ خزیمہ نے نیا سوال کیا۔ ”جنگل میں کینگرو 6-7 سال زندہ رہتے ہیں لیکن چڑیا گھر میں کینگروز زیادہ جیتے ہیں، وہاں یہ 20 سال بھی گزار لیتے ہیں۔“

”اور کوئی خاص بات۔“ مصعب بولا۔ ”ان کی نظر تیز ہوتی ہے، سننے کی حس بھی بہت تیز ہوتی ہے، یہ اپنے کانوں کو چاروں طرف گھما سکتے ہیں تاکہ ہر سمت سے آنے والی آواز سن سکیں۔ اپنے سونگھنے کی حس سے کینگرو ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔“

”تایا جان! ان کے بچوں کے بارے میں بھی تو بتائیے۔“ خزیمہ نے پوچھا۔ ”کینگرو کی مادہ کے پیٹ پر جو تھیلی ہوتی ہے اس میں ننھا کینگرو پرورش پاتا ہے۔ ایک ننھا کینگرو جب پیدا ہوتا ہے تو محض ایک انچ یعنی 2.5 سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ یعنی تم سمجھو جیسے انگور کا ایک دانہ پھر تقریباً 4 مہینے لگتے ہیں جو وہ بڑا ہو جاتا ہے اور پھر وہ گھاس کھانے اور جڑی بوٹیوں سے پیٹ بھرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔“

”کیا کینگرو لڑتے جھگڑتے بھی ہیں؟“ عکاشہ نے پوچھا۔ ”ہاں کیوں نہیں، یہ باکسروں کی طرح کھڑے ہو کر اپنی دونوں اگلی ٹانگوں سے ایک دوسرے کے سینے اور سر پر مکے مارتے ہیں۔ یہ مکے تو انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ لیکن اگر کوئی کینگرو اچھل کر پچھلی ٹانگیں دوسرے کے سینے پر مارے تو یہ وار خطرناک ہوتا ہے۔ اس کے پیروں کے لمبے اور تیز ناخن ہوتے ہیں، یہ ناخن کھال پھاڑ سکتے ہیں۔“

”آج کینگرو کے بارے میں بہت سی باتیں پتا چلیں۔“ خزیمہ نے ہنس کر کہا۔ ”ہاں بیٹا، ہر جانور کی اپنی انفرادیت ہے۔ ہر چیز میں غور و فکر کیا جا سکتا ہے تاکہ ہم اللہ کی قدرتوں کو پہچان سکیں۔“

”جزاک اللہ تایا جان۔“

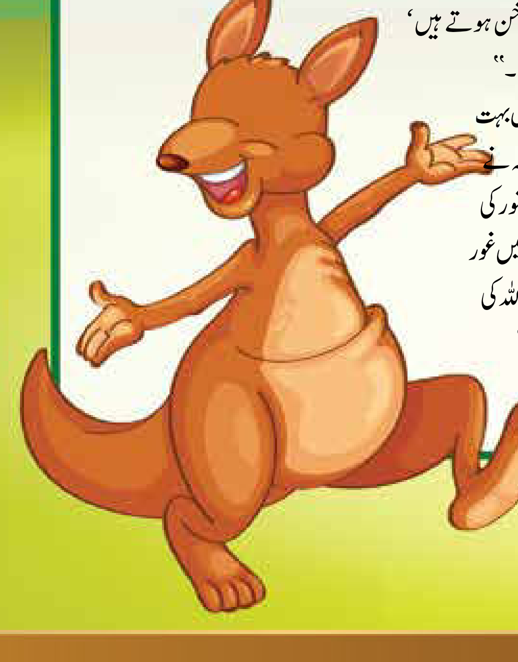

پھر چوری

ثانیہ ساجد عیسانی

''السلام علیکم!'' حمزہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی لہراتے ہوئے سب کو سلام کیا۔ جواب میں صرف خاموشی ملی تو اسے یوں لگا جیسے سب گھر والے کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ دوڑ کر کچن کی طرف لپکا۔ ''امی!'' امی کو کچن میں سبزی کاٹتا دیکھ کر حمزہ کی جان میں جان آئی۔

''آج کھانے میں کیا پکایا ہے؟'' پلاؤ کی سوندھی سوندھی خوشبو نے اس کی بھوک کو اور اجاگر کر دیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر پلیٹ اٹھائی اور کھانا ڈلوانے کے لیے مڑا تو امی وہاں نہیں تھیں۔

دو سیکنڈ کے لیے اس کے ننّھے سے ذہن میں بھوت پریت کے قصے منڈلانے لگے اور اس نے آیۃ الکرسی پڑھنا شروع کر دی، لیکن پھر واشنگ ایریا سے بہتے پانی کی آواز نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی کہ امی کپڑے دھو رہی ہیں۔

حمزہ کو یوں محسوس ہوا جیسے ایک ویرانہ اس کے اندر سما سا گیا ہو۔ ماں کی ناراضی تو دنیا سے لے کر آخرت تک چھین لیتی ہے۔

''امی آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہیں؟'' حمزہ نے معصومیت سے سوال کیا، جس کا اسے کوئی جواب نہ ملا۔

بس پھر کیا تھا، اس کے بھی جوان ہوتے خون کی جوش بھری لہریں اسے منہ چڑانے لگیں۔ اس نے پلیٹ سائیڈ پر پھینکی اور سیدھا دادی جان کے شکایتی دفتر یعنی ان کے کمرے میں جا پہنچا۔ وہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں مشغول تھیں۔ حمزہ انتظار کرنے لگا۔ اسی دوران اس نے اپنی آنکھوں سے دو آنسو بھی کھینچ کر نکال لیے، جنہیں دادی جان کے سلام پھرنے تک پونچھنا اسے گوارا نہ تھا، کیوں کہ ان کو پگھلانے کے لیے ان دو آنسوؤں کی قیمت صرف وہی جانتا تھا۔ انتظار کی گھڑی ختم ہوتے ہی حمزہ کے تو جیسے پیروں تلے زمین ہی نکل گئی۔ دادی جان نے سلام پھیرتے ہی حمزہ کی طرف دیکھے بغیر ہی قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔

حمزہ نے اپنی تسلّی کے لیے کہ شاید انھیں معلوم نہ ہو کہ حمزہ وہاں کھڑا ہے۔ ایک دو مرتبہ انھیں آوازیں بھی لگائیں، لیکن دادی جان کو تو جیسے حمزہ دکھائی ہی نہ دے رہا ہو۔

یہ آج کے دن کا دوسرا بڑا دھچکا تھا حمزہ کے لیے۔ اب وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ آخر اس خشک سلوک کی وجہ کیا ہے؟ امی کپڑے سکھا کر واپس آ رہی تھی۔

''امی! میں نے کیا جرم کیا ہے؟'' اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی امی نماز شروع کر چکی تھی۔ وہ بھی ڈھیٹ بن کر وہیں جم گیا۔ جب تک وجہ نہیں بتائیں گی، میں بھی یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ حمزہ نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ وہیں کھڑا رہے گا اور اس نے ٹھیک ایسا ہی کیا، مگر امی اپنی نماز ختم کر کے وہاں سے کھڑی ہو گئیں۔ انھیں کچن میں دوبارہ لوٹتے دیکھ کر حمزہ کے دماغ کی گھنٹی بجی۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''اب میں بھی بھوک ہڑتال کروں گا۔'' اس نے کہا۔ امی اور دادی چاہے جتنی دفعہ بھی بلالیں، میں کھانا کھانے نہیں جاؤں گا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اب اسے کیا حکمت عملی اختیار کرنی ہے۔ اچانک اس کی نظریں گھڑیال پر پڑیں۔ ڈھائی بج رہے تھے۔ اسے یاد آیا کہ اس نے ابھی تک ظہر کی نماز نہیں پڑھی۔

اوہ! مگر ابھی بھی ٹائم باقی ہے نماز کا۔ پہلے ذرا امی اور دادی کو تو دیکھ لوں، پھر پڑھوں گا نماز! اب وہ انتظار کرنے لگا کہ کوئی اسے کھانے کے لیے آواز دے۔ اسے بلانے تو کوئی نہ آیا، مگر انتظار کے راستے پر اس کی ملاقات نیند نامی چڑیا سے ہو گئی اور وہ خواب خرگوش کی وادیوں میں جھولنے لگا۔ جب آنکھ کھلی تو ساڑھے تین بج رہے تھے۔ اسے فوراً ظہر کی نماز کا خیال آیا اور وہ وضو کرنے کے لیے بھاگا۔ پھر تیز رفتاری کے ساتھ اس نے نماز کو ٹھکانے لگایا اور دانے دنکے کی تلاش میں کمرے سے باہر آ گیا۔

کچن تو کسی چٹیل میدان کی طرح صاف پڑا تھا اور امی اور دادی اپنے اپنے کمروں میں قیلولہ کر رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس بات کی سزا دی جا رہی ہے۔ امی اور دادی چوں کہ اپنے دروازے بند کر چکی تھیں، لہٰذا اب اس کے لیے بس ایک آخری دروازہ بچا تھا، جسے کھٹکھٹانا نہیں پڑتا تھا، بس داخل ہو جاؤ اپنا سمجھ کر۔

''آنی! آنی!'' اس نے اپنی کم عمر پھوپھو کو پکارا۔

''خبردار! اندر ہرگز داخل مت ہونا۔'' آنی کا یہ جملہ سن کر حمزہ کھِل اٹھا۔ شکر ہے کہ کوئی تو بات کر رہا ہے۔ صبح سے کان ترس گئے تھے، گھر میں کسی کی آواز سننے کے لیے۔

''لیکن کیوں؟'' حمزہ نے دریافت کیا۔

''تم جیسے چور میرے قریب بھی نہ آئیں۔'' آنی نے حکم صادر کیا۔

''لیکن میں نے آپ کا کیا چرایا ہے؟'' اس نے مزید پوچھا۔

''کچھ نہیں چرایا۔'' آنی نے جواب دیا۔ ''لیکن تمہاری چوری کی پکڑ ہو گی۔ تم سے سوال بھی ہو گا اور حساب بھی۔''

''جب میں نے کچھ چرایا ہی نہیں تو کیسا سوال اور کیسا حساب۔'' حمزہ اپنی صفائی میں ابھی اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن عصر کی اذان نے اسے موقع نہ دیا۔ گھر کے تمام افراد عصر کی نماز کی تیاری کرنے لگے اور حمزہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کا کچھ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ویسے بھی ابھی ابھی تو اذان ہوئی ہے۔ نماز کا ٹائم بہت پڑا ہے۔ یہ سوچ کر جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ کمرے کی چاروں دیواروں پر لفظ ''چور'' اس کا منتظر تھا اور اسے دیکھتے ہی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ یہ تماشہ دیکھ کر حمزہ بے حد پریشان ہو گیا۔ اس نے آناً فاناً اپنی الماری، دراز، خانے، بستہ اور ہر چیز چھانی کہ آخر وہ کیا چیز ہے جو اس نے چرائی ہے اور اسے خبر تک نہیں۔ وہ گھنٹوں لگا رہا، تھک ہار کر جب وہ اپنے پلنگ پر لیٹا تو ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ اسے عصر کی نماز کا خیال آیا۔ وہ وضو کرنے بھاگا۔ عصر کی نماز پڑھ کر جیسے ہی سلام پھیرا تو مؤذن نے مغرب کی اذان شروع کی۔

چھوٹا منہ بڑی بات

ڈاکٹر الماس روحی

وہ ایک درخت تھا، جہاں ایک شیخی خورا کوا رہتا تھا۔ اسی درخت پر ایک چھوٹی سی چڑیا کا گھونسلا تھا اور وہ بہت عقل مند تھی۔ وہ ننھی سی چڑیا چوں چوں، چوں چوں کر کے صبح سویرے اٹھتی اور ذکر خدا کا کرتی پھر باہر نکل جاتی۔ دانہ دنکا لاتی اس کی ننھی منی سی چونچ اور چھوٹے چھوٹے پر تھے۔ انہیں پروں سے وہ رزق کے لیے اڑان بھرتی۔ دن میں کام کرتی۔ رات کو آرام کرتی، پیڑ کے اوپر بیٹھی صبح شام اللہ اللہ کرتی۔ ایک دن چالاک کوے نے پوچھا ”بی چڑیا! چوں چوں کر کے تم کیا کہتی رہتی ہو؟“ چڑیا بولی۔ ”بڑا پیا اور میٹھا نام ہے جو نبیوں کا پیغام اور ولیوں کا الہام ہے ”اللہ۔“

کوا ہنسا اور بولا میں تو کائیں کائیں کرتا ہوں، جانتی ہو کیوں کرتا ہوں۔ کوے نے ڈال پر چونچ رگڑی۔ پھر بولا ”ایک زمانہ تھا جب میں عقاب ہوا کرتا تھا میرے بڑے بڑے پر تھے میں چٹانوں میں رہتا تھا۔ میری نگاہ بڑی تیز تھی۔ آسمان پر سب سے بلندی پر اڑتا تھا۔ مجھے زمین پر دور سے شکار نظر آتا۔ دوسرے ہی لمحے میں زمین پر ہوتا۔ پرندوں کی دنیا میں بڑا رعب تھا۔ میں بادشاہ تھا اور بہادر تھا۔ میرے حکم کے سارے پرندے تابع تھے۔ جنگل میں سارے پرندے جب جمع ہوتے تو سارے ادب سے اپنے پر سمیٹے بڑی خاموشی سے میری بات سنتے تھے۔ مجھے بڑا اچھا لگتا تھا۔ مجھ میں غرور آ رہا تھا۔ میں گردن اکڑا اکڑ کر ڈال پر بیٹھتا اور پرندوں کے مسائل سنتا جو فیصلہ کرتا وہ سارے پرندے مانتے۔ وہ سب میرے غلام جو تھے۔ سب کے جھگڑے نمٹاتا۔ کبوتر میری شان میں قصیدے پڑھتے۔ قمریاں میرے ترانے گاتیں۔ میری خوب واہ واہ ہوتی۔ بہار کے موسم میں میرے لیے تخت سجایا جاتا۔ تھال میں میرے لیے گوشت لایا جاتا۔ چیلیں اپنے بڑے بڑے پروں سے مجھے ہوا جھلتیں۔ رنگ برنگی چڑیاں میرے گن گاتیں۔ مجھے پھولوں کے تاج اور ہار پہنائے جاتے۔ کائیں کائیں میں تو وہی زمانہ یاد کرتا ہوں پھر کوا افسوس سے بولا۔ جنگل میں پھیلی ایک وبا سے میں عقاب سے کوا بن گیا۔ ظاہر میں کوا ہوں لیکن اندر سے اب بھی عقاب ہی ہوں۔“

چڑیا نے کوے کی پوری بات سنی پھر بولی۔ اسے کہتے ہیں ”چھوٹا منہ بڑی بات“ چھوٹی ضرور ہوں پر نادان نہیں ہوں۔ بڑھا چڑھا کر بات بیان کرنا اچھا نہیں ہ۔ یہ تو انسان کرتے ہیں۔ پرندے تو حمد کرتے ہیں۔ شاید انسانی آبادی میں جا کر رزق جو لاتے ہیں۔ اس لیے اثر آگیا ہے۔ جنگل میں ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ یہاں سب برابر ہیں۔ کوا کائیں کائیں کر کے ننھی چڑیا پر غصہ ہونے لگا۔ چڑیا بولی۔ ”بھیا! میں سچ کہنے سے نہیں ڈرتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں چڑیا ہوں، چڑیا رہوں گی تم کوے ہو کوے رہو گے۔ بڑی بڑی باتیں بے کار کی ہیں جو ہوا نہیں اس کو کہو نہیں۔ وقار اسی میں ہے۔ تم پرندوں کی دنیا میں صرف ایک پرندے ہو۔ مگر اپنے گھر کے تم بادشاہ ہو۔ اس نعمت پر شکر ادا کرو۔ اپنے بچوں کا سوچو۔ خود کو خود سے بوجھو۔ صبح شام بس ایک کام کرو، اللہ اللہ کہا کرو۔“ یہ کہہ کر چھوٹی سی چڑیا پھُر سے اڑ گئی۔ کوے نے چڑیا کی ہر بات کو غور سے سنا تھا۔ اب اسے اپنی ذلت کا احساس ہوا۔ سچ ہی تو کہا تھا چڑیا نے حقیقت یہی ہے۔ ”میں کوا ہوں کوا ہی رہوں گا اور وہ چڑیا ہے چڑیا ہی رہے گی۔“ دوسرے دن اس نے بی چڑیا سے معافی مانگی تو چڑیا بولی۔ ”بھیا! تم بے وقوف ہو بنتے ہو شیار ہو میری باتوں پر عمل کرو۔ معافی نہ مانگو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ زندگی کا یہی قاعدہ ہے۔ جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔ جو ہے اسے یاد رکھو۔“ عقلمند چڑیا یہ کہہ کر اپنے گھونسلے میں سونے چلی گئی۔ کوے میاں نے خود سے عہد کیا کہ اب وہ خود کو بدل لیں گے۔

مشکل الفاظ

چھوٹا منہ بڑی بات : یعنی اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرنا۔
عہد : وعدہ
شیخی خورا : بڑی بڑی باتیں کرنے والا
قصیدہ پڑھنا : تعریفیں کرنا
تابع : بات ماننے والے

دائیں کندھے پر بیٹھے فرشتے نے ساتھ ہی مغرب بھی پڑھنے کی ترغیب دی تو حمزہ نے یہ سوچ کر اس نیک خیال کو جھڑک دیا کہ ”افوہ! ابھی تو عصر کی نماز پڑھی ہے، مغرب کی اذان کو مکمل ہوئے تھوڑا وقت تو گزر لینے دو۔“ یہ سوچ کر حمزہ باہر نکلا اپنی پانچ سالہ بہن ہانیہ کے ساتھ کھیلنے۔ ہانیہ ڈاکٹر سیٹ سے کھیل میں مشغول تھی۔

”میں تمہارا مریض بن جاؤں؟“ حمزہ نے بچوں کے سے انداز میں پوچھا۔

”نہیں!“ ہانیہ نے روکھے پن سے جواب دیا۔

”کیوں؟“ حمزہ کو اس چھوٹی سی بچی سے یہ امید نہیں تھی۔

”کیوں کہ آپ چوری کرتے ہیں۔“ ہانیہ نے کہا۔ ”میں آپ کے ساتھ نہیں کھیلوں گی۔“

اس نے اپنا ڈاکٹری کا ساز و سامان اٹھایا اور یہ جا وہ جا۔ کچھ دیر صوفے پر بیٹھ کر حمزہ نے اس غم کو تھوڑا اور منایا اور پھر جب دیکھا کہ آسمان پر اندھیرا چھا رہا ہے تو بھاگ کر تیز رفتاری سے مغرب کی نماز کے فرض کو بھی پکڑ لیا۔

اب اسے صرف ابو کا انتظار تھا۔ وہی اس کیس کی گتھی کو سلجھا سکتے تھے۔ گھڑی نے جب رات کے ساڑھے نو بجائے تو ساتھ ہی دروازے کی بھی گھنٹی بجی۔ ابو نے گھر میں داخل ہوتے ہی فضا میں ناراضی کی بو محسوس کر لی تھی۔ وہ تازہ دم ہونے کے بعد جب غسل خانہ سے باہر آئے تو حمزہ ہاتھ باندھے ان کے انتظار میں ہی کھڑا تھا۔

”جی حمزہ بیٹا! فرمایئے“ ابو نے اسے اپنے برابر میں بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

حمزہ نے صبح سے لے کر اب تک کی روداد سنائی اور آخر میں کہا۔

”میں نہیں جانتا ہوں کہ میں نے کسی کا کیا چرایا ہے، جس کی سزا سب گھر والے مل کر مجھے دے رہے ہیں۔“

”ہم م م م۔۔۔۔۔“ ابو نے ایک لمبی سرد آہ بھری اور پھر پوچھا۔

”کیا آپ نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے؟“

”نہیں ابو! افسردگی کے اس ماحول میں میرا دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن میں پڑھ لوں گا بعد میں۔ عشاء کی نماز کا تو ویسے بھی بہت ٹائم ہوتا ہے۔“ حمزہ نے جواب دیا۔

”بیٹا! کیا آپ جانتے ہیں کہ چوری صرف کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر ہڑپ کر لینا ہی نہیں ہوتا بلکہ اور بھی قسمیں ہوتی ہیں چوری کی۔۔۔؟؟“ ابو نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا ابو؟“ حمزہ نے پوچھا۔

”جیسے کے نماز کی ادائیگی میں تاخیر برتنا اور نماز کے اندر دنیاوی خیالات میں مشغول ہو جانا بھی چوری میں شمار ہوتا ہے۔“ ابو نے سمجھایا۔ آپ کے گھر والے آپ کو نماز کی چوری پر سزا دے رہے ہیں۔ میرے بچے! یاد رکھنا! نماز بے حیائی اور گناہ سے روکتی ہے۔ اگر آپ کی نماز ہی ادھوری ہے اور آپ خود اپنی نماز کے چور ہو تو پھر وہ آگے آپ کے کس کام آئے گی۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ وہ درست نکلی تو سب درست ہو جائے گا اور وہ ٹھیک نہ نکلی تو سب خراب ہو جائے گا۔“

”جی ابو! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ آپ سے بھی اور اپنے رب کے حضور بھی۔ میں ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر اللہ سے اپنی چوری کے اس جرم سے توبہ کرتا ہوں۔“

ہااااؤو۔۔!

سلمان یوسف سمیجہ

اُس بڑے سے میدان میں ایک طرف ڈھیر ساری مٹی پڑی تھی۔ سات سالہ ضرغام کو پتا نہیں کیا سوجھی کہ کرکٹ کھیلتے کھیلتے وہ مٹی میں کود پڑا۔ ”بھئی ضرغام! یہاں آکر کرکٹ کھیلو، وہاں مٹی میں گندے کیوں ہو رہے ہو؟“ اسد بولا۔

”نہیں یار! یہاں مٹی میں کھیلتے ہوئے بڑا مزہ آرہا ہے، آؤ تم بھی کھیلو، تم بھی لطف اٹھاؤ گے۔“ ضرغام نے مٹی میں قلابازیاں مارتے ہوئے کہا، پھر مٹھیوں میں مٹی بھر کر اُچھالنے لگا۔

”نہیں بھئی! ہم تو نہیں آرہے ہم گندے تھوڑی ہونا چاہتے ہیں!“ طاہر کہہ کر گھر کی جانب چلتا بنا۔

”یار! بڑا ہی دل چسپ کھیل ہے یہ!“ ضرغام پھر بولا۔

”میری امی کہتی ہیں مٹی میں نہیں کھیلنا چاہیے، کپڑے خراب ہو جاتے ہیں، جسم مٹی سے اَٹ جاتا ہے۔ ایسے بچے اچھے نہیں ہوتے!“ معصوم سی شکل والے زین نے آنکھیں پٹپٹائیں، اُس کی ناک پر موٹے فریم والی عینک بیٹھی تھی، گریبان تک سارے بٹن بند تھے، بالوں پہ تیل اتنا زیادہ لگا ہوا تھا کہ جیسے تیل کی ساری بوتل بالوں پر انڈیل دی ہو۔

ہاں، لیکن مزہ بہت آتا ہے! ضرغام نے زین کی بات کا جواب دیا۔

”مجھے نہیں چاہیے یہ مزہ۔“ زین ناک سے پھسلتی عینک کو درست کرتا گھر کی طرف ہو لیا۔

جب کہ چند بچے جو ضرغام کو مٹی میں لطف اندوز ہوتا دیکھ رہے تھے، اُن کا جی بھی چاہنے لگا کہ وہ بھی مٹی میں کھیلیں، لہٰذا وہ مٹی میں کود پڑے، وہ مٹی سے گولے بناتے اور ایک دوسرے کو مارتے، اب تو دھول اڑنے لگی۔ ان کے جسموں سے پسینے بھی بہہ اُٹھے تھے۔ پسینے اور مٹی سے لبریز اُن کی قمیصیں جسموں سے چپک گئیں، جسموں سے بو اٹھنے لگی، چہروں پر حد درجہ ”پاؤڈر“ لگ گیا تھا۔ اب سب بچے ”بھوت“ نظر آرہے تھے۔

”بھئی، اب بہت کھیل لیا، اب ہمیں گھر لوٹ جانا چاہیے۔“ شارق کپڑے جھاڑتے ہوئے بولا اور پھر سب اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

ضرغام گھر میں داخل ہوا تو امی نے زہر خند نظروں سے اس کو دیکھا۔

”یہ کہاں تم محنت مزدوری کرتے رہے ہو؟ تم نے اپنی کیسی گندی حالت بنائی ہوئی ہے۔“ امی نے ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کیوں کہ اس سے بو آرہی تھی۔

”مٹی میں کھیل لیا تھا!“ ضرغام نے کھسیاہٹ میں سر کھجایا۔

”مٹی میں نہیں کھیلتے، سارے کپڑے خراب کر دیے، دُھلے ہوئے کپڑے پہن کر گئے تھے تم، اب مجھے دوبارہ کپڑے دھونے پڑیں گے۔“ امی آگ بگولا ہو کر اسے لیکچر دے رہی تھیں۔

”اب جا کر نہاؤ اور نئے کپڑے پہنو۔“ امی نے لیکچر سنا کر حکم نامہ جاری کیا۔

ضرغام کمرے میں آیا تو دیکھا اُس کا چھوٹا بھائی احتشام جو ابھی ڈیڑھ سال کا تھا اور تھوڑا بہت بول پاتا تھا، پلنگ پر بیٹھا کھلونا کار چلا رہا ہے۔ ضرغام نے سوچا کہ نہانے سے پہلے احتشام کو پیار کر لوں۔ وہ جیسے ہی احتشام کے پاس آیا، احتشام نے خوف زدہ نظروں سے اُس کو دیکھا۔

”ہاااااؤ۔۔۔۔۔۔۔۔!“ احتشام کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ بہت ڈر گیا تھا۔ وہ ضرغام کو ”ہاؤو“ (بھوت) سمجھ رہا تھا۔

”بھاااااں۔۔۔۔!“ احتشام ڈر کے مارے حلق پھاڑ کر رونے لگا۔

”شامی! میں ہاؤو نہیں، تمہارا بڑا بھائی ضرغام ہوں۔“ ضرغام آگے بڑھا وہ اسے پیار سے ”شامی“ بلایا کرتا تھا۔

”ہا۔۔۔ہااااؤ!“ احتشام کچھ پیچھے ہوا، اسے لگا۔ ”ہاؤو“ اسے کھا جائے گا۔ وہ اور زور زور سے رونے لگا۔

”ارے بیگم! کہاں ہو؟ منّا رو رہا ہے، بھئی بیگم!“ ابو، امی کو آوازیں دیتے ہوئے احتشام کے پاس آئے۔ انھوں نے بھی وہاں احتشام کے قریب ٹھہرے ایک ”ہاؤو“ کو دیکھا، پہلے تو وہ اس کو پہچان ہی نہ پائے، بعد میں بغور دیکھنے پر پتا چلا کہ یہ تو اپنے صاحب زادے ہیں۔

وہ آگے بڑھ کر روتے احتشام کو خاموش کرانے لگے اور ضرغام کو گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

”ہا۔۔۔ہا۔۔۔ہااااؤ۔۔۔!“ احتشام انگلی سے ضرغام کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

”تم نے اسے ڈرانے کے لیے یہ حلیہ بنایا ہوا ہے نا!“ ابو نے اس کو گھورا۔ ”نہیں ابو!“ وہ فوراً بولا۔ ”ننّھے بچے کا دل اسی کی طرح ننّھا ہوتا ہے۔“ ابو کا لیکچر شروع ہو چکا تھا۔

”میں اسے پیار کرنے آیا تھا، ڈرانے نہیں!“ وہ ابو کے لیکچر کے درمیان میں بولا تو ابو سیخ پا ہو گئے۔ ”ہاں ہاں، تمہارا حلیہ سب سچ بتا رہا ہے!“ ابو تلملا کر بولے۔

”ہااااؤو!“ احتشام نے پھر روتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا۔

”اب ادھر سے بھاگو، نہالو جا کر!“ ابو کی بات سنتے ہی وہ بھاگ نکلا۔

نہانے کے بعد ضرغام سوچ رہا تھا کہ مٹی میں نہیں کھیلنا چاہیے، ورنہ اس سے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں، جسم مٹی والا اور بدبودار ہو جاتا ہے، امی ابو سے بے تحاشا ڈانٹ پڑتی ہے اور۔۔۔اور چھوٹے بہن بھائی آپ کو ”ہاؤو“ سمجھ کر رونے اور ڈرنے لگتے ہیں۔

السلام علیکم

تنزیلہ احمد

”بچے کیا ہوا ہے؟ کیسے منہ اٹھائے چلے آرہے ہو؟ نہ سلام نہ دعا۔۔۔؟“ ہاشم منہ پھلائے گھر میں داخل ہوا تو لاؤنج میں بیٹھی دادو نے اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے ٹوکا تھا۔

”اسا علیکم!“ اس نے اسی طرح منہ پھلائے رکھے کہا تھا۔

”امی! جو اس کا منہ ہے وہی اٹھائے چلا آئے گا نا۔ کسی اور کا تو اٹھا کر نہیں لا سکتا۔ کیوں ہاشم!“ چھوٹی پھوپھو نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تو اس نے منہ بسورا اور ”امی ی ی ی!“ کہتے ہوئے ہاتھ سے دستانے اتار کر دور اچھال دیے تھے۔ یہ حرکت باورچی خانے سے باہر آتی اس کی امی کی نظروں میں آگئی تھی۔

”حد ہے ہاشم! جب دیکھو منہ لٹکا یا پھولا ہوتا ہے۔ باہر سے کھیل کر آتے ہو یا ریسلنگ رنگ سے؟ چلو اپنی چیزیں سمیٹو اور اپنے کمرے میں جا کر دھیان سے الماری میں رکھو۔“ ”اچھا رکو بھئی! تم لوگ اپنے مسئلے بعد میں نپٹانا پہلے مجھے اس سے کام کی بات تو کر لینے دو۔ ہاں تو میں پوچھ رہی تھی کہ ہاشم بیٹا یہ اسا علیکم کیا ہوتا ہے؟“

”دادو یہ کام ہے کون جس کی باتیں آپ ہمیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتی رہتی ہیں؟“ جواب ہاشم نے دینا تھا مگر اس کے بڑے بھائی قاسم نے سوال داغ دیا تھا۔

”ٹھہر جاؤ! یہ بھی بتا دوں گی پہلے ہاشم سے تو بات مکمل کر لوں۔ تو بچے میں نے کیا پوچھا تھا؟“

”سلام ہوتا ہے یہ دادو۔“ امی کے ہاتھ سے جوس کا گلاس تھامتے ہوئے اس نے مزے سے جواب دیا تھا۔ ”اگر یہ سلام ہے تو پھر السلام علیکم کیا ہے؟“

”یہ بھی سلام ہے۔“

”اچھا اور اس کا مطلب تو پتا ہی ہو گا؟“

”جی دادا! پتا ہے السلام علیکم کا مطلب ہے: تم پر سلامتی ہو۔“

”شاباش! جب ہم کسی کو السلام علیکم کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ حضرت ابو امامہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔“ ہاشم اب جوس پی چکا تھا اور پھولا ہوا منہ بھی ذرا اچھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے دادو کی جانب دیکھا۔

”اب یہ بتاؤ جو سلام تم نے جھاڑا اس کا کیا مطلب تھا؟“

”ہممم! دادو اس کا مطلب بھی سلامتی ہی ہو گا۔“

”نہیں میرے بچے یہ ہی تو مسئلہ ہے کہ ہم غلط صحیح کا فرق بھول جاتے ہیں۔ جو سلام تم نے جھاڑا اس کا مطلب ہے تم خوشی کو ترسو۔۔۔“

”ہائے اللہ توبہ! یا زمانہ آگیا ہے۔ یعنی تم نے ہم سب کی پیاری، راج دلاری، اکلوتی دادو کو کہا کہ۔۔۔۔۔“ قاسم نے تیز آواز میں کہتے ہوئے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا تو ہاشم گڑبڑا گیا۔

”نن نہیں تو۔ میں دادو کو بھلا ایسے کیوں کہوں گا۔ میں تو دادو سے بہت پیار کرتا ہوں۔ ہے نا دادو؟“

اس کی امی، بڑے بھائی اور پھوپھو نے بمشکل ہنسی روکی تھی۔ آج وہ صحیح قابو آیا تھا۔ امی، دادو اور ابو سبھی اسے سمجھاتے پر وہ اگلی بار پھر اپنی مرضی کا سلام جھاڑ دیتا تھا۔

”یہ تو میں تب مانوں گی جب تم السلام علیکم ہی کہا کرو گے۔“

”ٹھیک ہے دادو میں سمجھ گیا مگر کچھ لوگ تو صرف سلام کہتے ہیں اور جواب میں وسلام۔۔۔ کیا یہ بھی غلط ہے؟“ اس نے انتہائی سنجیدگی سے سوال پوچھا تھا۔

”بالکل میرے بچے یہ بھی غلط ہے۔ سراسر لاعلمی اور لاپروائی کی وجہ سے ہے۔ درست السلام علیکم ہی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمیں آسانیوں کے پیچھے بھاگنے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ اس چکر میں یہ نہیں دیکھتے کہ سارا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔ سلامتی کی بجائے اگلے کو بربادی اور موت کی بددعا بھیجنے لگتے ہیں۔“

”ہیں وہ کیسے امی؟ چھوٹی پھوپھو نے بھی سوال پوچھ ڈالا تھا۔“ ”آج کل بہت سے الٹے سیدھے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ سلامالیکم۔ جس کا مطلب ہے تم پر لعنت ہو۔ سامو علیکم یعنی تم برباد ہو اور اسام علیکم کا مطلب تم کو موت آئے۔ اب بتاؤ کہ کیا ایک مسلمان کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان پر لعنت یا بربادی بھیجے؟“

”ہرگز نہیں!“ چھوٹے بڑے سب بچوں نے باآواز بلند جواب دیا۔ اسی دوران ابو کی آواز سنائی دی۔ ”السلام علیکم! یہاں کیا چل رہا ہے بھئی“

”وعلیکم السلام میرے بچے! جیتے رہو، خوش رہو، سدا آباد رہو!“ دادو نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ بھی وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئے۔

”لمبی کہانی ہے ابو۔ میں آرام آرام سے سناتا ہوں۔ اصل میں ہمیشہ کی طرح ہوا یہ کہ آج ہاشم۔۔۔۔۔“ قاسم کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ہاشم کھڑا ہوتے ہوئے زور سے کھانسا۔ جلدی سے اپنے دستانے اور بلا بھی اٹھا لیا تھا۔

اگلے ہی پل وہ ”وعلیکم السلام!“ کہتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بھاگا تھا۔ اپنے پیچھے اسے سب کے قہقہے سنائی دیے تو وہ خود بھی ہنسنے لگا تھا۔

PUE

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ کے سب سے بہترین فن پارے پر تین سو روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ مہینے سمط مشتاق کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

امیمہ عباسی، پنجم، بنجم دہلی گرلز
اسکول کراچی

محمد حذیفہ، 11 سال، گلشن اقبال

آمنہ احسان، نہم، الائیڈ اسکول
فیصل آباد

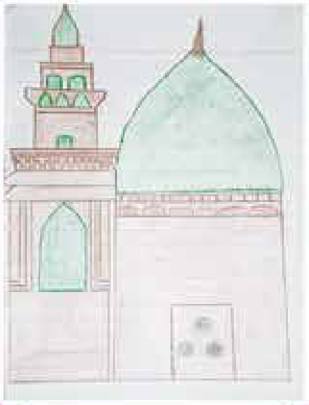

صفی اللہ مدرسہ بیت السلام
شکارپور

ام ہانی

نورالعین۔ کراچی

سارہ جنید معہد الخلیل کراچی

عمر محی الدین

پیارے بچو!

یہ توآپ کو معلوم ہی ہے کہ انسان کے پاس جتنی خوشیاں آتی ہیں۔۔۔۔ سب اللہ تعالی کی طرف سے آتی ہیں۔۔۔ لیکن کبھی کبھی جو مشکلات یا پریشانیاں آجاتی ہیں۔۔۔ وہ کس کی طرف سے آتی ہیں۔۔۔۔ ؟؟؟

جی ہاں ! ! وہ بھی اللہ تعالی کی جانب سے ہی آتی ہیں۔۔۔۔

یہ پریشانیاں اور مشکلات یا تو اللہ کی جانب سے ہمارے کسی عمل کی سزا میں ہوتی ہیں۔۔۔ یا اللہ تعالی ہمارا امتحان لیتے ہیں۔۔۔ کہ میرا بندہ یا بندی پریشانی میں کس کی طرف رجوع کرتا ہے۔۔۔ !

لہٰذا ہم پر جب بھی کوئی مشکل یا پریشانی آئے، چھوٹی ہو یا بڑی۔۔۔ اسکول کی ہو یا گھر کی۔۔۔۔ فورا اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔۔۔ اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔۔۔ اور اللہ سے مدد مانگنی چاہیے۔۔۔ کیوں کہ خیر۔۔۔ اور شر۔۔۔ کا مالک اللہ ہے۔۔۔۔ اور جو بندے ہر وقت اللہ سے دعا مانگتے ہیں اللہ تعالی ان کو اپنا دوست بنالیتا ہے۔۔۔۔ اور اللہ کو ان پر پیار بھی آتا ہے۔۔۔۔ تو پیارے بچے ہر مسئلہ اللہ کے آگے رکھ کہ اللہ رب العزت سے مانگنے والے بن جائیں۔۔۔۔

تو کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ۔۔۔ ! !

جون 2021ء کے سوالات

سوال نمبر 1: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے کون سی رات کا سودا کرنے کا کہا۔۔۔ ؟

سوال نمبر 2: عفان کو گھر والوں کے رویہ سے کیا سبق ملا۔۔۔ ؟

سوال نمبر 3: حیام کے استاد نے اسے کیوں مارا تھا۔۔۔ ؟

سوال نمبر 4: غار میں دیو کے علاوہ کون داخل ہوا تھا۔۔۔ ؟

سوال نمبر 5: مچھلیاں ایک دوسرے کو کیسے مخاطب کرتی ہیں؟

مارچ 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: تالاب میں چھلانگ لگادی۔

جواب نمبر 2: شکرادا کرتے ہوئے دوپہر والی سبزی ہی کھائی۔

جواب نمبر 3: گلاب میاں نے۔

جواب نمبر 4: "بیٹا! میں چاہتا ہوں تم ایسے شہزادے بنو، جس سے تمھارے دین وملت کو خوب نفع پہنچے۔۔۔"

جواب نمبر 5: آسمان سے پانی کا ڈول آیا۔

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ
اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے
لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں
یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر
نوٹ کرلیں
03162339088

مارچ 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

کراچی سے خدیجہ انعام
کو شاباش
انہیں 300 روپے کا انعام مبارک ہو!

کروناوائرس

جوہرعباد

پھیلا کچھ اِس طرح سے کہ حیران کر گیا
سارے ہی زمانے کو پریشان کر گیا
ہر سمت بس وردِ زباں ہیں اِس کے تذکرے
خود کو ہزاروں خبروں کا عنوان کر گیا

ملتی نہیں جس کی مثال دُور دُور تک
تاریخ میں رقم وہ داستان کر گیا
ہر چند کرونا وائرس ہے غیر مرئی
لیکن خطا ہر ایک کے اوسان کر گیا

بے بس نظر آئیں ترقی یافتہ قومیں
طاقتوروں کو بھی یہ ناتوان کر گیا
پڑھنے لگے سارے ہی استغفار کی تسبیح
لوگوں کو گناہوں پہ پشیمان کر گیا

اللہ کے غضب کی فقط ادنیٰ سی جھلک ہوں
نادیدہ جراثیم یہ اعلان کر گیا
دُنیا جہاں کے سارے پُر ہجوم علاقے
دہشت سے اپنی ایک دم سنسان کر گیا

بند ہوگئے ہیں بے حیائی کے کھلے بازار
ناکام و نامراد ہر شیطان کر گیا
میل و ملاپ رُک گیا، مصافحہ بند ہوا
تعلیمی ادارے تلک ویران کر گیا

تعلیم و تجارت و سیاحت تو ہوئی ٹھپ
دُنیا کی معیشت کا بھی نقصان کر گیا
حرمین شریفین پہ پابندی اُچنبھا
جس کی فکر ہر صاحبِ ایمان کر گیا

بے بس و بے تاثیر ہوئی ہے جدید طب
اُس کو بھی مبتلائے امتحان کر گیا

مانا کرونا وائرس پوشیدہ ہے لیکن
دہشت سے اپنی ختم اطمینان کر گیا

دُنیا کے سارے مرد و زن کرنے لگے پردہ
سب کا ہی ماسک کی طرف رُجحان کر گیا

پہلے تو لاک ڈاؤن سے محصور کیا پھر
اشیائے خورد و نوش کا فقدان کر گیا

نجانے کتنا وقت سنبھلنے میں لگے گا
پیدا عجیب دنیا میں بحران کر گیا

اسلام کے ذرّین اصول سامنے آئے
حلال اور حرام کی پہچان کر گیا

راغب کیا صفائی ستھرائی کی جانب
سب کا طہارت کی طرف رجحان کر گیا

اللہ کے سوا دوسرا کوئی نہیں معبود
اسلام کی حقانیت بیان کر گیا

دینِ محمدیؐ کی یوں ترویج اِس نے کی
جگ میں ہزاروں لوگ مسلمان کر گیا

بگڑی ہوئی دنیا نے کیا اللہ سے رجوع
جوہرؔ اگر دیکھیں تو یہ احسان کر گیا

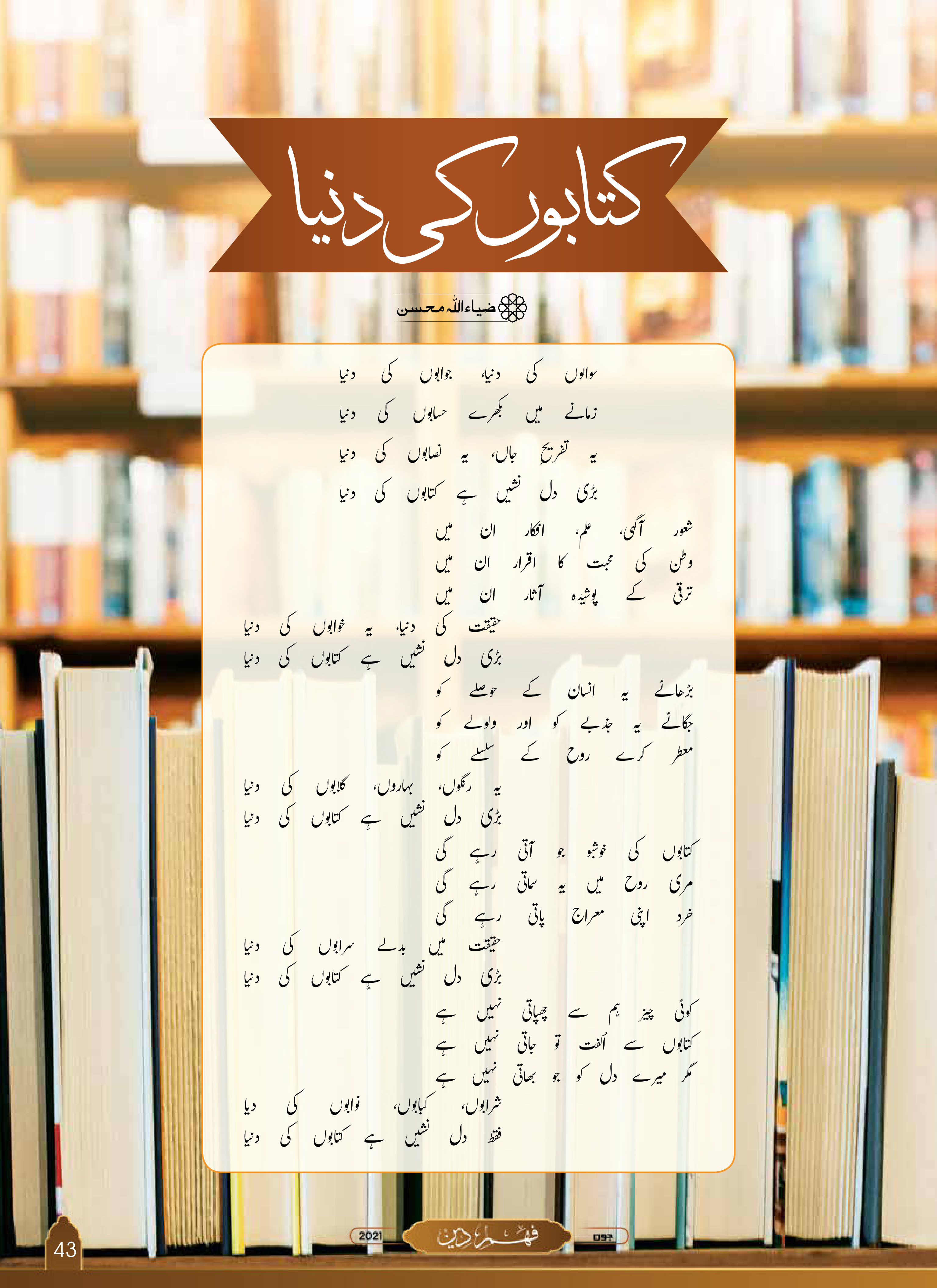

کتابوں کی دنیا

ضیاء اللہ محسن

سوالوں کی دنیا، جوابوں کی دنیا
زمانے میں بکھرے حسابوں کی دنیا
یہ تفریحِ جاں، یہ نصابوں کی دنیا
بڑی دل نشیں ہے کتابوں کی دنیا
شعور، آگہی، علم، افکار ان میں
وطن کی محبت کا اقرار ان میں
ترقی کے پوشیدہ آثار ان میں
حقیقت کی دنیا، یہ خوابوں کی دنیا
بڑی دل نشیں ہے کتابوں کی دنیا
بڑھائے یہ انسان کے حوصلے کو
جگائے یہ جذبے کو اور ولولے کو
معطر کرے روح کے سلسلے کو
یہ رنگوں، بہاروں، گلابوں کی دنیا
بڑی دل نشیں ہے کتابوں کی دنیا
کتابوں کی خوشبو جو آتی رہے گی
مری روح میں یہ سماتی رہے گی
خرد اپنی معراج پاتی رہے گی
حقیقت میں بدلے سرابوں کی دنیا
بڑی دل نشیں ہے کتابوں کی دنیا
کوئی چیز ہم سے چھپاتی نہیں ہے
کتابوں سے اُلفت تو جاتی نہیں ہے
مگر میرے دل کو جو بھاتی نہیں ہے
شرابوں، کبابوں، نوابوں کی دیا
فقط دل نشیں ہے کتابوں کی دنیا

گلدستہ

ترتیب و پیش کش حافظ محمد اطہر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

حمد

اس کی مدحت کو قلم تحریر کرسکتا نہیں
حرف موج نور کو زنجیر کرسکتا نہیں
بے غلامئ محمد، بے ثنائے کبریا
آدمی قرآن کی تفسیر کرسکتا نہیں
ذہن و دل کا مرکز محور نہ ہو جب تک وہ ذات
کوئی اپنی ذات کی تعمیر کرسکتا نہیں
عشق نے روشن کئے ہیں آگہی کے جو چراغ
کوئی جھونکا ان کو بے تنویر کرسکتا نہیں
لا سے الا اللہ تک گر تو نہ دے اس کا جمال
منزلوں کا فیصلہ راہ گیر کرسکتا نہیں
پل میں سو موسم بدل دیتی ہے اُس کی اِک نظر
کب وہ کس کو صاحبِ تقدیر کرسکتا نہیں

انتخاب: ظفر اللہ شاعر: امید فاضلی

نسخۂ اکسیر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب ارشاد فرمایا جو ہمارے لیے نسخۂ اکسیر ہے فرمایا کہ ”دنیا کے معاملے میں اپنے سے کم تر حیثیت والوں کے ساتھ رہو‘ ان کی صحبت اختیار کرو اور ان کے حالات کو دیکھو اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھو اور ان کی صحبت اختیار کرو۔“

کیوں؟ اس لیے کہ جب دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو گے تو جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ان نعمتوں کی قدر ہوگی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دے رکھی ہے۔ اس سے قناعت پیدا ہوگی‘ شکر پیدا ہوگا اور دنیا طلبی کی دوڑ کا جذبہ ختم ہوگا۔ دین کے معاملے میں جب اوپر والوں کو دیکھو گے کہ یہ شخص تو دین کے معاملے میں مجھ سے آگے بڑھ گیا تو اسی وقت اپنی کمی کا احساس پیدا ہوگا اور آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوگی۔

انتخاب: حفیظ اللہ
اصلاحی خطبات‘ شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی‘ ج 1

نعت

جب بھی نعت حضور کہتا ہوں
ذرّے ذرّے کو طور کہتا ہوں
شامِ بطحا کی زرخشانی کو
مطلع صبحِ نور کہتا ہوں
بوریا جو تیری عنایت ہے
اس کو تخت سفور کہتا ہوں
رند اور محبت نہیں یارو
شان رب غفور کہتا ہوں
تشنگی اور یاد کربل کو
جام کیف و سرور کہتا ہوں
ایک اُمّی نبی کو اے ساغر
تاجدارِ شعور کہتا ہوں

انتخاب: سمیع اللہ شاعر: ساغر صدیقی

گھومنے والا درخت

وسطی افریقہ کے نابطی نامی گاؤں میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے جو گھوم سکتا ہے‘ تند و تیز طوفان اور بارش میں جب دوسرے درختوں کی جڑیں اکھڑ جاتی ہیں تو اس درخت کی جڑیں چاروں طرف گھومتی ہیں اور اس طرح وہ ہوا کے زور کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے‘ مقامی لوگ اس کو مقدس مانتے ہیں۔

انتخاب: محمد اظہر
(دلچسپ حیرت انگیز معلومات)

نرم مزاجی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: ”جس شخص کو نرمی سے حصہ ملا اسے دنیا و آخرت کی بھلائی سے حصہ ملا اور جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی سے محروم رہا۔“

انتخاب: محمد عمیر
(مسند ابی یعلی الموصلی، سند عائشہ، حدیث: 4513ج: 4)

اشعار

دل کے مٹنے کا مجھے کچھ اور ایسا غم نہیں
ہاں مگر اتنا کہ اس میں تمہاری یاد بھی

انتخاب: محمدانس **شاعر:** اصغرگونڈی

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش!
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش

انتخاب: محمداحمد **شاعر:** علامہ اقبال

دل کو حصارِ جبر میں، پا کے یہ سوچتا ہوں میں
تیرے جہاں کی بیکراں وسعتیں جانے کیا ہوئیں

انتخاب: محمدحسن ظفر **شاعر:** امیدفاضلی

لن ترانی نے کیا اپنا ظہور آخر کار
موسیٰ بے خود ہوئے اور ل گیا طور آخر کار

انتخاب: محمداحمد **شاعر:** نظیراکبرالہ آبادی

یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

انتخاب: زمر **شاعر:** جگرمرادآبادی

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملے جس کو سبق یاد رہے

انتخاب: محمدطارق **شاعر:** امیرطاہررضوی

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

انتخاب: ایمن **شاعر:** مہتاب دائے تاباں

ناخدا رُخ نہ دیکھ لہروں کا
ہمیں دریا عبور کرنا ہے

انتخاب: رشید **شاعر** عدم

زندگی درد مستقل کے سوا
اور کیا چیز ہے خدا جانے

انتخاب محمود **شاعر** خالددہلوی

بہترین اور بدترین

حضرت لقمان حکیم کے آقا نے ان سے ایک مرتبہ کہا ”بکری ذبح کر کے اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لے آئو“ انہوں نے بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان آقا کے پاس لے گئے۔ آقا نے پھر حکم دیا کہ ایک اور بکری ذبح کر کے اس کے دو بدترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ۔ انہوں نے بکری ذبح کی اور اس مرتبہ بھی اس کا دل اور زبان لے آئے۔ آقا نے پوچھا: ”میں نے بہترین حصے طلب کیے تو تم یہی لائے‘ بدترین طلب کیے تب بھی یہی لائے؟“ حضرت حکیم نے فرمایا: ”میرے آقا! دل و زبان اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی اور عضو نہیں ہو سکتا اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی دوسرا عضو نہیں ہو سکتا یہ بہتر رہیں تو بہترین حصے ہیں اور اگر بدتر ہیں تو ان حصوں سے بڑھ کر کوئی بدترین حصے نہیں۔

انتخاب: محمد سرفراز تفسیر قرطبیؒ، ج4 ص61

فکرانگیز فقرے

*خود کو کم عقل مان لینے والا آدھا عقل مند ہو جاتا ہے۔
*کم ہی لوگوں کا ذہن کام کے وقت کام کرتا ہے۔
*بے وقوفی میں کمال یہ ہے کہ دوسروں سے مشورہ تک کرنے کی سمجھ نہ ہو۔
*لوگوں کی چالاکی اتنا جی نہیں جلاتی‘ جتنا ان کی حماقت۔
*زندگی کو سمجھنا اور بات ہے۔۔۔ کامیاب زندگی گزارنا دوسری بات!
*زندگی کو آسان بنانا ہو تو چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنا ہی پڑتا ہے۔
*جاہل ہونے کے لیے ان پڑھ ہونا ضروری نہیں۔
*کام کرنے کا عادی‘ زیادہ کام کا گلہ یا دعوی کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔
*نظریاتی لوگوں کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ انہیں تنگ نظر کیوں سمجھا جاتا ہے۔
*موبائل: بیک وقت آج کی سب سے بڑی سہولت بھی ہے اور سزا بھی۔

مرسلہ: ام محمد

رمضان 1442ھ میں
راشن اور سحری افطاری کے ذریعے

خلق خدا کی خدمت

5 لاکھ 92 ہزار 159 افراد کو فائدہ پہنچا

رپورٹ: خالد معین

بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ یوں تو پورا سال ہی خدمتِ خلق میں مصروف رہتا ہے۔ ان خدمات میں راشن، پینے کا پانی، پکا پکایا کھانا، فراہمی لباس، علاج معالجہ اور دیگر متعدد شعبہ جات شامل ہیں۔ لیکن خاص طور پر بقرعید کے موقع پر قربانی کے گوشت اور رمضان المبارک میں سحری، افطاری اور راشن وغیرہ کے ذریعے اندرون و بیرون ملک خدمات میں زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

الحمدللہ حسب سابق اس سال بھی رمضان میں یہ سلسلہ جاری رہا اور ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریبا 5 لاکھ 92 ہزار 159 افراد کو بیت السلام کی ان خدمات سے فائدہ پہنچا۔

راشن کے ذریعے فائدہ پہنچا	سحری افطاری
2 لاکھ 36 ہزار 159 افراد	3 لاکھ 56 ہزار افراد

جید علماء کرام کی نگرانی میں خلق خدا کی خدمت میں شبانہ روز مصروف **بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ** پر اہل خیر کا اعتماد اور بھروسا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی خدمات کے تمام ہی شعبہ جات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ **بیت السلام** کا مشن ہی یہ ہے کہ اہل خیر کے اموال کو امانت سمجھ کر وصول اور دیانت کے ساتھ مستحقین کی خدمت کرنا۔

J.
FRAGRANCES
555
JAHANGIR KHAN
THE WINNING FRAGRANCE.
JAHANGIR KHAN
555
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J.Fragrances.Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

BAITUSSALAM

فلسطینی بھائیوں سے ہمارا رشتہ کیا؟

لا الہ الا اللّٰہ

آیئے عالمی ادارہ **بیت السلام ویلفئر ٹرسٹ**
کے شانہ بشانہ **فلسطینی** بھائیوں کی خدمت کیجئے۔
ترک سرکاری اداروں کے اشتراک سے۔

☎ **Call**
021-111-298-111

Follow us BaitussalamWelfareTrust

Whatsapp +92-320 7872 264

E-mail donations@baitussalam.org

Visit www.baitussalam.org